پتہ: کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

صوفی نذیر احمد صاحب موجودہ حالات اور بالخصوص مسلمانوں کے مسائل و معاملات پر بصیرانہ اور گہری نظر رکھتے ہیں، اور ان کے حل کی مفید تجویزیں اور مشورے بھی پیش کرتے رہتے ہیں اس رسالہ میں جو پانچ مقالوں پر مشتمل اور صوفی صاحب کے گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہے، موجودہ مذاہب اور نظاموں بالخصوص مارکسزم کا جائزہ لیا گیا ہے، اور اس کے خطرناک پہلوؤں سے اسلامی ملکوں کو متنبہ کیا گیا ہے، اور موجودہ دینی و لادینی کشمکش میں مسلمانوں کی برکت و حرکت کے اسباب اور اسلام کے نظام امن و فلاح اور ملت کی تنظیم وغیرہ پر بحث کر کے دکھایا گیا ہے کہ تمام مخلوقات کی طرح انسان کا آئین فلاح و بقا بھی اس کے اخلاقی و روحانی شعور و کردار کی شکل میں موجود ہے، گو صوفی صاحب کی تحریروں میں ظاہری جاذبیت اور دلکشی نہیں ہوتی اور ان کے بعض افکار و خیالات پیچیدہ اور گنجلک ہوتے ہیں لیکن ان میں بہت گہری اور کام کی باتیں ہوتی ہیں یہ مقالے بھی اس سے خالی نہیں ہیں اور یہ مسلمانوں کے غور و فکر کے لائق ہیں۔

موضح القرآت فی السبع المتواترات ۔ مرتبہ مولانا قاری حافظ محمد حبیب اللہ خاں صاحب بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات تقریباً ۱۱۲، قیمت ۳ ؎، پتہ: مدرسہ تجوید القرآن فاروقی مسجد، میری ویدر ٹاور، کراچی ۲ (پاکستان)

اس کتاب میں قرآن مجید کی سات مشہور و متواتر قرأتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے، جس سے ان کا فرق و اختلاف بالکل واضح ہو جاتا ہے، شروع میں قرأت و تجوید کے قاعدے، اصطلاحات، جائز و ناجائز وجوہ کی تفصیل اور ساتوں مشہور ائمہ قرأت کے علاوہ انکے دو دو مشہور رواۃ کے مختصر حالات و سوانح بھی بیان کیے گئے ہیں، ان حالات کو سوانح قرّاء سبعہ کے نام سے الگ بھی شائع کیا گیا ہے، یہ کتاب کا پہلا جزء ہے جو پارہ الم کے اختلاف قرأت پر مشتمل ہے، قرأت کا دار و مدار مشق و مہارت پر ہے اور اسکی تحصیل حسب فن استاد کے بغیر محض کتابوں سے ممکن نہیں ہے اسلیے اس رسالہ سے قرأت و تجوید کے طلبہ و اساتذہ ہی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

"ض"

جلد ۱۰۰ ۔ ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۶۷ء ۔ عدد ۲

مضامین

شذرات

ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ بڑی بدبختی ہے کہ متفقہ مسائل میں بھی وہ اختلاف کا پہلو نکال لیتے ہیں، چنانچہ اسرائیل اور عربوں کی جنگ میں ناصر کی دینداری اور بیدینی اختلافی مسئلہ بنگئی ہے، اور ناصر کی دینی صفائی میں متعدد بیانات نکل چکے ہیں، لیکن اس قسم کے اختلافی مسائل میں عرب جمہوریہ کے سفیر یا ان لوگوں کے بیانات معتبر نہیں ہو سکتے جو محض سیاح کی حیثیت سے یا حکومت کی دعوت پر مصر گئے اور گھوم پھر کر دو چار دن میں لوٹ آئے، کسی حکومت کا سفیر اپنی حکومت کے مفاد کے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتا، عام سیاح سرسری مشاہدے میں حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے، اور حکومتیں اپنے مفید مطلب تماشے دکھاتی ہیں اور اسکے ظاہر فریب مناظر بھی دکھا دیتی ہیں لیکن اہل نظر اس کو واقعہ نہیں سمجھتے اور نہ ایسے لوگوں کے بیانوں کی کوئی وقعت ہوتی ہے، اس قسم کے معاملات میں ان ہی لوگوں کا بیان معتبر مانا جاتا ہے جن کے عرب ملکوں سے تعلقات حکومت کے واسطے کے بغیر براہ راست ہوں، انکو وہاں طویل قیام، بار بار کے مشاہدے اور مختلف طبقوں سے ربط وضبط اور میل جول کا موقع ملا ہو، اس اعتبار سے عربی جمہوریہ اور ناصر کے بارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بیان سے زیادہ معتبر کس کا بیان ہو سکتا ہے جس سے ناصر کی دینداری کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، اور یہ بیان اتنا مدلل ہے کہ اس کی تردید نہیں کیجا سکتی۔

ناصر کے عقیدتمندوں کو اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جب اصل مقصد یعنی اسرائیل کے مقابلہ میں عربوں کی پوری حمایت پر جسمیں ناصر اور عرب جمہوریہ بھی شامل ہیں، سب کا اتفاق ہے، اس میں ادنیٰ اختلاف بھی نہیں تو ناصر کی دینداری کی سند مہیا کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پھر ناصر کی بے دینی کی بحث کی بھی ضرورت نہیں، یہ بالکل صحیح ہے، اس کو کسی نے بھی موضوع بحث نہیں بنایا، عربوں کی شکست کے سلسلہ میں اس کا ذکر محض ضمناً آگیا کیونکہ مسلمانوں کی فتح و شکست کا مدار تنہا دنیاوی اسباب و وسائل پر نہیں

بلکہ اس کے لیے نصرت الٰہی کی بھی ضرورت ہے، جو انہی مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے جو خدا کے دین کی مدد کرتے ہیں، دینی حیثیت سے قطع نظر، ناصر نے خالص دنیاوی اور جنگی حیثیت سے جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ جنگ کے نتیجے سے ظاہر ہے، اس کی جو تاویل بھی کیجائے اس سے ناصر کی پوزیشن صاف نہیں ہو سکتی، اس کے باوجود ناصر کے ناقدین جمہوریہ عربیہ کے پرزور حامی اور حکومت ہند کی پالیسی سے بالکل متفق ہیں، اور عربوں کی حمایت میں ان کی عملی جد وجہد جاری ہے، ناصر کی دینداری اور بیدینی کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، البتہ یہ ضروری نہیں کہ وہ ناصر کی ثنا خوانی میں بھی حکومت کی ہمنوائی کریں اور اس حد تک شاید ان کا مطالبہ بھی نہیں ہے۔

اسرائیل کا مسئلہ ناصر کی ذات یا جمہوریہ عربیہ کا نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کا ہے، اسی لیے ناصر کی دینداری اور بیدینی سے قطع نظر، ہر حال میں مسلمانوں کو جمہوریہ عربیہ کی حمایت کرنا ہے لیکن جب تک خود عربوں میں طاقت اور اتحاد نہ ہوگا، انکو کسی کی امداد و حمایت فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اگر اسرائیل کے مقابلہ میں بھی وہ متحد نہ ہو سکے تو پھر کبھی ان میں اتحاد نہ ہوگا، اس وقت دنیائے اسلام بلکہ پوری دنیا کی نظریں چوٹی کی کانفرنس پر لگی ہوئی ہیں، یہ کانفرنس عربوں کے تدبر کا بہت بڑا امتحان ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ کہاں تک اس امتحان میں پورے اترتے ہیں، مغربی طاقتوں نے ان کو ایسے دلدل میں پھنسا دیا ہے کہ اس سے صحیح سلامت نکلنا بہت دشوار نظر آتا ہے۔

اردو کا مسئلہ ادھر عرصہ سے ٹھنڈا تھا، مگر اب پھر اس میں گرمی پیدا ہوئی ہے، گذشتہ الیکشن میں کانگریس اور جن سنگھ کے علاوہ تمام پارٹیوں نے مجلس مشاورت کے منشور کو مانا تھا، اس میں اردو کا مسئلہ بھی تھا، اسلیے نئی حکومت کے قیام کے بعد وہ زور شور سے اٹھا ہے، اور اس کے لیے مختلف جماعتیں میدان عمل میں آگئی ہیں، سابق کانگریسی حکومت کے بعض وزراء نے بھی موقع کو غنیمت سمجھکر اردو کی حمایت شروع کر دی ہے، اس لیے حکومت اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہے، اردو دانوں کا اصل مطالبہ تو اردو کو اس کے صوبے کی دوسری سرکاری زبان بنانے کا ہے، لیکن جن سنگھ اس کے خلاف ہے اور حکومت اسی کے سہارے پر قائم ہے

اس لیے وہ اس کے خلاف نہیں جاسکتی، کمیونسٹوں کے علاوہ دوسری پارٹیاں بھی جنھوں نے مشاورت کے منشور کو تسلیم کیا تھا، اردو کے معاملے میں حکومت کی کرسی خطرہ میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن اردو کو بنیادی حقوق دینے کی سب حامی ہیں حتی کہ جن سنگھ کو بھی شرما شرمی ایک حد تک اس کا اعتراف کرنا پڑا، وزیر اعلی بھی ان حقوق کو دینے پر آمادہ ہیں، لیکن ان کو قانونی شکل دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور اس کے لیے انھوں نے ایک جن سنگھی وزیر کے ماتحت ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کردی ہے، ان دونوں باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب حیلہ سازی ہے، جن حقوق کو وہ تسلیم کرتے ہیں ان کو قانونی شکل دینے میں کیا قباحت ہے اور اس کے لیے تحقیقاتی کمیٹی کے قیام کی کیا ضرورت ہے، وہ بھی ایک جن سنگھی کی ماتحتی میں، اس کی جیسی سفارش ہوگی ظاہر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب دھوکا ہے، قانونی شکل دیے بغیر محض زبانی وعدے اور تحریری احکام کا کوئی اعتبار نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ جو حقوق ملیں وہ پورے صوبے کے لیے ہوں، محض چند مغربی اضلاع کے لیے نہیں۔

گذشتہ الیکشن میں کانگریس کی شکست نے اس کو بھی مسلمانوں کی شکایتوں کی تحقیقات کی طرف متوجہ کردیا ہے، لیکن مسلمانوں کی نمایندہ مختلف جماعتیں باربار ان شکایتوں کو پیش کرچکی ہیں، خود مرکزی وزیر فخرالدین علی احمد صاحب مسلمانوں سے مل کر ان کی شکایتیں اور مطالبات معلوم کرچکے ہیں، اس کے بعد تحقیقات کی کیا ضرورت ہے، یہ شکایتیں بالکل کھلی ہوئی ہیں، مسلم یونیورسٹی کے اسلامی کردار، اردو زبان اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ، سیکولر تعلیم، مسلم پرسنل لا میں عدم مداخلت، فسادات اور فرقہ پرستوں کی مسلم دشمنی کا تدارک، یہ چند بنیادی مطالبات ہیں، اگر کانگریس واقعی مسلمانوں کی شکایتوں کو دور کرنا چاہتی ہے تو اس کو ان سب چیزوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے، اردو والوں کے لیے یہی موقع ہے، وہ صوبے میں جد وجہد جاری رکھنے کے ساتھ کانگریس ہائی کمان اور صدر جمہوریہ کے سامنے بھی اس مسئلہ کو پیش کریں۔

مقالات

ابوعبید قاسم بن سلام

از جناب مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی رفیق دارالمصنفین

نام ونسب ابوعبید کنیت، قاسم نام اور باپ کا نام سلام تھا، ابن ندیم نے اتنا اور اضافہ کیا ہے، قیل سلام بن مسکین بن زید[1]۔

ولادت، خاندان اور وطن ۱۵۰ھ میں ہرات میں پیدا ہوئے، ابوبکر زبیدی نے ۱۵۴ھ سنہ ولادت بتایا ہے، ان کے والد رومی النسل اور ہرات کے کسی شخص کے غلام تھے، ابوعبید کا مشہور قبیلہ ازد سے ولاء کا تعلق تھا، وہ عرصہ دراز تک بغداد میں مقیم رہے، اس بنا پر ازدی اور بغدادی کی نسبتوں سے مشہور ہیں[2]،

اساتذہ ابوعبید نے نحو، لغت، قرأت اور حدیث کی تکمیل وتحصیل جن ائمۂ فن اور اکابر فضلا سے کی تھی، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، ابن اعرابی، ابوبکر بن عیاش، ابوزکریا کلابی، ابوزیاد کلبی، ابوزید انصاری، ابوعمرو شیبانی، ابومحمد یزیدی، ابومعاویہ ضریر، احمر، اسحق ازرق، اسمٰعیل بن جعفر، اسمٰعیل بن علیہ، اسمٰعیل بن عیاش، اصمعی، جریر بن عبدالحمید، حفص بن غیاث، حماد بن مسعدہ، سفیان بن عیینہ، شجاع بن نصر، شریک بن عبداللہ، صفوان بن عیسیٰ،

---

[1] الفہرست ص ۱۰۶ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۳ و ۴۰۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶، خلاصہ تذہیب ص ۳۱۲، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ ص ۳۷۶، وتاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴

عبادبن عباد، عباد بن عوام، عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن مبارک، عمر بن یونس یمامی، قرا، کسائی، مروان بن معاویہ، ابوعبیدہ معمر بن مثنی، ہشام بن عمار، ہشیم بن بشیر، وکیع، یحیی بن آدم، ابو... یحیی بن سعید القطان، یحیی بن صالح، یزید بن ہارون وغیرہ، اس زمانہ میں کوفہ اور بصرہ نحو ولغت کے مرکز تھے، ابوعبید کو دونوں مرکزوں کے ائمۂ فن سے کسب فیض کا موقع ملا،[1]

تلامذہ ان کے کچھ شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

ابوبکر بن ابی الدنیا، احمد بن یحیی بلاذری، احمد بن یوسف تغلبی، حارث بن ابی اسامہ، حسن بن مکرم، سعید بن ابی مریم مصری،[2] عباس دوری، عباس عنبری، عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، علی بن عبدالعزیز بغوی، محمد بن اسحق صاغانی، محمد بن یحیی مروزی، نصر بن داؤد،[3]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کی روایتیں کتب حدیث میں میری نظر سے نہیں گزریں، البتہ ان کے اقوال اکثر کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں،[4] امام بخاری نے کتاب الادب، باب افعال العباد، رقاق اور بعض دوسرے ابواب وکتب میں، امام ابوداؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں اسنان ابل کی تشریح وتفسیر میں اور امام ترمذی نے قرأت وغیرہ کے متعدد ابواب میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں،[5] مقدمہ فتح الباری کی فصل فی تسمیۃ من اشتہر بالکنیۃ وذکر اسمہ غالباً میں قاسم بن سلام کا نام بھی لیا ہے۔[6]

رحلت وسفر انھوں نے علم کی تلاش وجستجو میں متعدد مقامات کے سفر بھی کیے تھے، علامہ ابن سعد کا بیان ہے "طلب الحدیث والفقہ" یعنی حدیث وفقہ کی تلاش وجستجو کی، بغداد میں مدت دراز تک

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴ وطبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۰ وتہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ وتاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۲ [2] حافظ ابن حجر نے ان کو ابوعبید کا شیخ بھی بتایا ہے، تہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ [3] ایضاً وتاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۳ [4] تقریب التہذیب ص ۴۰۷ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۸ وخلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۱۲ [6] مقدمہ فتح الباری ص ۲۳۹

قیام کیا، ۲۱۳ھ میں ابن معین کے ہمراہ مصر گئے، بصرہ، مکہ اور مدینہ جانے کا ذکر بھی ملتا ہے،[1]

جامعیت وہ مختلف علوم وفنون کے جامع اور گوناگوں اوصاف وکمالات سے متصف تھے، قاضی احمد بن کامل فرماتے ہیں: "ابوعبید اپنے زمانہ میں ہر فن کے امام، جملہ اسلامی علوم قرأت، تفسیر قرآن، فقہ، حدیث اور عربیت کے ماہر و متبحر عالم اور روایات واخبار کے صحیح ناقل وراوی کی حیثیت سے مشہور وممتاز تھے۔" ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے تین ایسے عدیم المثال آدمیوں کو دیکھا ہے جن کو جننے سے عورتیں قاصر ہیں، ان میں ایک ابوعبید بھی تھے، یہ اپنے علم وتبحر کے لحاظ سے ایسا پہاڑ معلوم ہوتے تھے جس میں روح پھونک دی گئی ہو، وہ ہر علمی مسئلہ پر بحث وگفتگو کر سکتے تھے اور انکی ہر چیز پر اچھی نظر تھی۔" عبداللہ بن جعفر درستویہ کا بیان ہے کہ "ابوعبید بغداد کے ان مشہور علمائے اسلام میں تھے جو کوفیوں کے نحوی مذہب کے قائل اور کوفیوں اور بصریوں سے نحو، لغت اور غریب الفاظ کے راوی، جملہ علوم میں یکتا وجامع، قرأت کے عالم اور علم وادب کے تمام فنون میں کثیر التصانیف تھے۔"[2]

علامہ ابن کثیر ان کی جامعیت کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

احد أئمة اللغة والفقه والحديث	وہ لغت، فقہ، حدیث، قرآن اور اخبار و
والقرآن والاخبار وايام الناس	وقائع کے ماہرین اور ائمۂ فن میں تھے۔

ذیل میں ان کے ان کمالات کا جدا جدا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

حدیث ابوعبید کو جن علوم سے خاص تعلق اور اشتغال تھا، ان میں ایک فن حدیث بھی ہے، اس کی طلب میں ان کے شوق ودلچسپی کا مورخین اور علمائے سیر نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، ابن حبان نے ان کو صاحب حدیث اور ازہری نے صاحب سنت لکھا ہے، اور دوسرے اصحاب فن نے بھی المحدث اور عالم بالحدیث کے الفاظ سے ان کا تذکرہ کیا ہے، اس فن میں انھوں نے کئی کتابیں بھی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ قسم دوم ص ۹۳، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴ وتہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۴، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳ وتہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۶ و ۳۱۷، تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳، البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۹۱

یادگار چھوڑیں جو ان کے بعد علماء کی توجہ کا مرکز رہیں، ان کے ضبط و ثقاہت اور حفظ و عدالت میں بھی کسی نے کلام نہیں کیا ہے، علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ "جو ابوعبید کی کتابوں کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرے گا اس کو ان کی معرفت و حفظ حدیث کا پوری طرح علم ہو جائے گا، وہ حدیثوں کے حافظ اور اس کی دقیق علتوں سے پوری طرح باخبر تھے، امام ابوداؤد نے انھیں ثقہ و مامون، دار قطنی، یحییٰ بن معین اور ابن ناصر الدین نے ثقہ، حافظ ابن حجر نے ثقہ فاضل اور علامہ سیوطی نے ثقہ۔ لا باس بہ لکھا ہے۔[۱]

ابن حبان نے ان کا ثقات میں شمار کیا ہے، ابوحاتم نے گو ان سے کوئی روایت نہیں کی ہے مگر ان کو صدوق کہتے تھے، ابوعبید سے سماع اور کتابت حدیث کے متعلق حمدان بن سہل نے ابن معین سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی ان سے پوچھتے ہیں۔

ابوعبید کی خدمت حدیث کا دائرہ بہت وسیع ہے، انھوں نے نقل و روایت، مشکلات و غریب حدیث کی تشریح و تفسیر کے علاوہ حمایت و نصرت حدیث کا فرض بھی انجام دیا، ابن حبان کا بیان ہے:۔

ذب عن الحدیث ونصرہ وقمع من خالفہ[۲]	حدیث کی مدافعت و نصرت سے مخالفین حدیث کا قلع قمع کر دیا۔

فقہ ابوعبید کا دوسرا خاص فن فقہ ہے، اس موضوع پر بھی ان کی متعدد تصانیف ہیں، خطیب وغیرہ کا بیان ہے کہ فقہ میں ابوعبید کی نظر بڑی وقیقہ سنج واقع ہوئی تھی، ازہری نے ان کو فقیہ، ابن حبان نے صاحب فقہ اور علامہ ذہبی نے فقیہ و مجتہد اور عارفاً بالفقہ والخلاف لکھا ہے، اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں:

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۸ و تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۴ و ۴۱۵ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۰ و ۲۷۱، شذرات الذہب ج ۲ ص ۵۴ و تقریب التہذیب ص ۲۰۰ و بغیۃ الوعاۃ ص ۳۷۶ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۸ ۳؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۴ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۱

خدا ے تعالیٰ حق و انصاف کو پسند کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ابوعبید مجھ سے بڑے فقیہ تھے[۱]، فقہ و اجتہاد میں ان کی عظمت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ امام شافعی سے جو اس فن کے مسلمہ امام تھے انھوں نے نہ صرف مناظرہ کیا بلکہ اپنے دلائل و شواہد سے ان کو اپنا ہمنوا بھی بنا لیا، "قرء" کے متعلق امام شافعی کا خیال تھا کہ اس سے حیض اور ابوعبید کے خیال میں طہر مراد ہے، اپنے اپنے خیال کو دونوں بزرگوں نے اس قدر مدلل اور پرزور طریقہ پر پیش کیا کہ بعد میں دونوں نے ایک دوسرے کے دلائل سے متاثر ہو کر ایک دوسرے کی رائے کو قبول کر لیا، علامہ ابن سبکی کو اس واقعہ کی صحت پر انشراح نہیں ہے، لیکن انھوں نے اس کی تردید بھی نہیں کی اور یہ لکھا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس میں ابوعبید کی عظمت کی دو دلیلیں ہیں، پہلی چیز ان کی امام شافعی سے مناظرہ کی جرأت ہی حیرت انگیز ہے، اور اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ امام نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا، حالانکہ میری معلومات کے مطابق اور کسی شخص سے مناظرہ کے بعد انھوں نے اپنے مسلک سے رجوع نہیں کیا ہے۔[۲]

فقہی مسلک ابوعبید خود فقیہ و مجتہد تھے، اور اس وقت کے مذاہب فقہ میں سے کسی مذہب کے مقلد نہ تھے، البتہ امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام مالک اور امام شافعی کے مذہب سے زیادہ قریب تھے، چنانچہ اپنی کتابوں میں ان بزرگوں کے مسالک کے شواہد، احادیث و روایات سے ان کی تطبیق اور نحوی و لغوی استدلال سے ان کو قوی اور انسب ثابت کیا ہے جس سے ان مذاہب کی جانب ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔[۳] لیکن درحقیقت وہ کسی مذہب کے پابند نہ تھے، اس لیے علامہ ابن سبکی کا یہ بیان محل نظر ہے کہ "ابوعبید کے ہمارے اصحاب میں ہونے میں کوئی شک نہیں ہے"۔ دوسرے علماء کے اقوال سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی، ابن عبدالبر نے بغداد کے ان لوگوں میں ان کا ذکر کیا ہے جنھوں نے امام شافعی کی صحبت میں رہ کر ان سے اخذ و استفادہ اور فقہ کی تحصیل کی اور لکھا ہے کہ

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۵، ۴۰۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵ و ۶ ۲؎ طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۳ و ۲۷۴
۳؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۵

وہ امام شافعی کے ساتھ رہے، ان کی کتابیں لکھیں، لیکن ان کے خود اپنے مختارات و مرجحات ہیں اور وہ شافعی مذہب کی تقلید سے آزاد تھے، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور ابو ثور وغیرہ صاحب فقہ اور مجتہد ہونے کے باوجود امام شافعی کے دامن فیض سے وابستہ تھے، ٹھیک اسی قسم کا تعلق ابو عبید کا بھی تھا، ابن حبان نے بھی ان کے اختیار کا ذکر کیا ہے۔[1]

قرأت و تفسیر قرآن مجید اور اس کے متعلقہ علوم پر بھی ان کی اچھی نظر تھی، اور فن قرأت میں تو امام وقت تھے، ابو عبید کی کتاب القرأت کا ذکر کرتے ہوئے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ابو عبید کو ممتاز قاری قرار دیا ہے[2]، دوسرے قرآنی علوم پر بھی ان کی نظر تھی، مورخین نے ان کو احد ائمۃ القرآن اور صاحب قرآن وغیرہ لکھا ہے۔

ادب و عربیت ابو عبید کو سب سے زیادہ لگاؤ ادب، لغت، نحو اور عربیت سے تھا، ان فنون میں ان کی کئی بلند پایہ کتابیں ہیں، قرآن و احادیث کی خدمت بھی انھوں نے ادبی و نحوی پہلوؤں سے زیادہ کی ہے، علامہ ابن سعد نے ان کو ادیب، صاحب نحو و عربیت لکھا ہے[3] حافظ ابن عبد البر اور ابن حبان نے ان کی معرفت ادب کا ذکر کیا ہے، ابن سبکی نے الادیب اور ذہبی نے اللغوی اور عالماً فی اللغۃ کے الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے[4]، یاقوت نے معجم الادبا میں، ابو البرکات انباری نے طبقات الادبا میں اور علامہ سیوطی نے طبقات النحاۃ میں ان ہی حیثیتوں سے ان کا تذکرہ کیا ہے، ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے لفظ "رباب" کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے مختلف معنوں کی وضاحت کی اور اس کی سند میں متعدد اشعار پیش کیے[5]، علامہ ابن سبکی نے لغت و عربیت سے ان کی واقفیت و مہارت کی متعدد مثالیں دی ہیں[6]

[1] الانتقاص ۱۰۷ و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۸ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۹۴ [3] طبقات ابن سعد ج ۷ قسم دوم ص ۹۳ [4] الانتقاص ۱۰۷، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۸، طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵ [5] معجم الادبا ج ۶ ص ۱۶۵ [6] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۲ و ۲۷۳

ایام و وقائع و انساب وہ ایام و انساب کے بھی ماہر تھے، ان فنون میں ان کی مستقل کتابیں ہیں اور ان کی دوسری تصانیف میں بھی ان کے متعلق بہت سے معلومات ہیں۔

تلاش و تحقیق ان کی تلاش و تحقیق کا یہ حال تھا کہ اپنی کتاب غریب الحدیث کی تکمیل میں ۴۰ سال تک مصروف رہے، ان کا بیان ہے کہ اس کے متعلق جب اصحاب علم سے کوئی نکتہ اور مفید بات سنتا تو اس کے مقام پر درج کر لیتا، ان کا قول تھا کہ مجھے کسی چیز کا علم حاصل کر کے اتنی خوشی ہوتی تھی کہ رات بھر نیند نہیں آتی تھی، اور تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ چار پانچ مہینے میرے یہاں قیام کر کے گھبرا جاتے ہو، اس ذوق و شوق کی بنا پر اپنے معاصرین بلکہ اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں سے بھی استفادہ میں کوئی عار نہیں تھا۔[1]

اہل دولت سے گریز اور اہل علم کی عظمت اصحاب دولت سے اپنا دامن بچاتے تھے، اور اہل علم کی عظمت کرتے تھے، ایک مرتبہ امیر طاہر نے جس سے ان کے بڑے تعلقات تھے، اپنے گھر بلا کر ان کی کتاب غریب الحدیث سننا چاہا تو انکار کر دیا، لیکن علی بن مدینی اور عباس عنبری نے ان کے سماع کی خواہش ظاہر کی تو وہ روزانہ خود ان کے گھر جا کر سنا آتے تھے[2]،

عہدۂ قضا ثابت بن نصر جب طرسوس کا گورنر ہوا تو ابو عبید کو وہاں کا قاضی مقرر کیا، اس منصب پر وہ ۱۸ سال تک فائز رہے[3]۔

اہل علم کا اعتراف ان کے علم و فضل اور کمال کے متعلق بیشمار اقوال کتابوں میں مذکور ہیں، انکے اساتذہ، تلامذہ، معاصرین اور سوانح نگار سب ان کے کمالات کے مداح و معترف ہیں، اسحٰق ابن راہویہ فرماتے تھے کہ "ابو عبید مجھ سے اور امام احمد اور امام شافعی سے زیادہ صاحب علم اور علم و ادب اور جامعیت و کمال میں ہم سب سے زیادہ ممتاز و فائق تھے، ہم لوگ تو انکے محتاج ہیں

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۷، و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳ و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۵ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۶ و ۴۰۷ [3] ایضاً ص ۴۰۳، ۴۱۳، طبقات ابن سعد ج ۷ قسم دوم ص ۹۳ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳

گروہ ہم سے مستغنی ہیں"۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ "وہ ہمارے شیخ اور ان بزرگوں میں تھے جن کے خیر و برکت میں برابر اضافہ ہوتا ہے"۔ ابو العباس ثعلب کا بیان ہے کہ "وہ بنی اسرائیل میں ہوتے تو ایک عجیب چیز سمجھے جاتے"۔ عبد اللہ بن طاہر فرماتے ہیں کہ "چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے، عبد اللہ ابن عباس، عامر شعبی، قاسم بن معن اور قاسم بن سلام"۔ حاکم صاحب مستدرک اور ابن سبکی نے الامام الجلیل، دارقطنی نے امام اور جبل العلم، ابن عماد اور خزرجی نے احد اعلام الائمہ، ابن حبان اور ابن کثیر نے احد ائمة الدنیا، حافظ ابن حجر نے الامام المشہور، ازہری اور احمد بن کامل نے عالم فاضل اور یافعی و ذہبی نے العلامة العالم اور ذہبی نے الامام البحر جیسے القاب کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے[۱]۔

تدین و تقوی علمی فضیلت کے ساتھ وہ تدین و تقوی کے زیور سے بھی آراستہ تھے، قاضی احمد بن کامل کا بیان ہے کہ "وہ علم و دین دونوں میں فاضل اور علمائے ربانیین میں تھے، مورخین اور ارباب سیر ان کو "وکان ذا فضل و دین" لکھتے ہیں، خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ "وہ نہایت متدین و متورع تھے، میں نے کسی شخص کو ان کے علم، دینداری یا اور کسی معاملہ میں طعن کرنے والا نہیں پایا"۔ ازہری نے بھی متدین اور ابن حبان نے صاحب دین و ورع کہا ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اصمعی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ابو عبید آتے ہوئے نظر آئے، اصمعی نے بہت غور سے ان پر نگاہ ڈالی اور جب وہ قریب آگئے تو لوگوں سے کہا جانتے ہو آنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! اصمعی نے کہا یہ آنے والا جب تک زندہ رہے گا دنیا اور اہل دنیا تباہ نہیں ہو سکتے"[۲]۔

عبادت و ریاضت رات کا تہائی حصہ عبادت و ریاضت میں گذارتے، حج بیت اللہ سے دو مرتبہ مشرف ہوئے، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

---

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴ و ۴۱۲، طبقات ابن سعد ج ۷ قسم ۲ ص ۹۲ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۰، ۲۷۱ و خلاصۂ تہذیب ص ۳۱۲ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۵۵ و تہذیب ج ۸ ص ۳۱۸ و تقریب ص ۲۰۷، العبر ج ۱ ص ۳۹۲ و مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۸۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۴، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۴ و ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳ و تہذیب ج ۸ ص ۳۱۷

وذکر له من العبادة والاجتهاد فی العبادة شیئا کثیرا[۱] — یعنی ان کی عبادت و ریاضت کے بہت سے واقعات ہیں۔

دنیا سے بے رغبتی ابو عبید کو امیر طاہر...... کے دربار میں بڑا رسوخ اور تقرب حاصل تھا اور وہ ان کے ساتھ بڑا سلوک کرتا تھا، لیکن ان کو خود دنیاوی مال و متاع سے کوئی رغبت نہ تھی، اور وہ بقدر کفاف ہی پر اکتفا کرتے تھے اور زائد رقم خیرات کے کاموں میں صرف کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ ابو دلف نے امیر طاہر...... سے خواہش کی کہ ابو عبید کو اس کے یہاں دو مہینے قیام کی اجازت دیں، امیر نے منظور کر لیا، جب ابو عبید دو مہینے قیام کے بعد ابو دلف کے یہاں سے واپس ہونے لگے تو اس نے تیس ہزار درہم نذر میں پیش کیے، لیکن ابو عبید نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میں ایسے شخص سے وابستہ ہوں جن کی فیاضیوں نے دوسروں کے صلہ و انعام سے بے نیاز کر دیا ہے۔ واپسی کے بعد امیر نے ۳۰ ہزار دینار پیش کیے تو فرمایا کہ آپ کے انعامات نے مجھے غنی بنا دیا ہے، مگر اس کو قبول کر لوں گا اور اس کے اسلحہ، گھوڑے اور دوسرے سامان جنگ خرید کر سرحد پر بھیجوں گا، اس کا ثواب آپ کو بھی ملے گا[۲]۔

اتباع سنت اتباع سنت میں بڑا اہتمام تھا، اس کے خلاف کوئی بات دیکھنا سخت ناپسند کرتے تھے، متبع سنت لوگوں کی تحسین فرماتے تھے، اور خلاف سنت باتوں کو دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اتباع سنت کی مثال ہاتھ میں چنگاری لینے کی ہے، اور اس زمانہ میں وہ جہاد سے افضل ہے[۳]۔

سیر اخلاق و سیرت کے بارہ میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے وکان ذا سیرة جمیلة[۴]۔

صبر و حلم مخالفین کی دلآزار باتوں کو صبر سے برداشت کرتے تھے، اپنے معترضین کے خلاف ان میں کوئی انتقامی جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا، لوگوں نے ان سے کہا کہ اسحٰق موصلی آپ کی کتاب الغریب المصنف

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۵ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۴، و البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۹۱ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۶ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۱ ۳؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۱، ۴۱۳ ۴؎ ایضاً ص ۴۰۹ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳

میں ایک ہزار غلطیاں بتاتے ہیں، انھوں نے اس کا نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا اور کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہیں کی اور نہ اس کے جواب میں اسحق موصلی پر کسی طرح کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کی[1]،

خودداری طبعاً نہایت خوددار تھے، طاہر بن عبد اللہ بن طاہر سے انکے بڑے تعلقات تھے، اور وہ ان کو بڑے بڑے انعام و اکرام سے نوازتا رہتا تھا، مگر اس کے باوجود بھی انھوں نے خودداری کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، امیر نوجوانی میں جب اس کے والد زندہ تھے حج کے ارادہ سے نکلا اور خراسان میں امیر اسحق بن ابراہیم کے یہاں قیام کیا، اسحق نے اکابر علماء کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ طاہر کے پاس آکر اس کو استفادہ کا موقع دیں، اس حکم پر اکثر محدثین اور فقہاء اس کے پاس گئے مگر ابو عبید نے جانے سے انکار کردیا، اور لکھ بھیجا کہ علم کسی کے پاس نہیں جاتا بلکہ اس کے پاس جایا جاتا ہے، اس جواب پر اسحق نے برہم ہو کر ان کا دو ہزار ماہانہ وظیفہ بند کرادیا، اور امیر عبد اللہ کو اس کی اطلاع دیدی، لیکن عبد اللہ پر ابو عبید کے اس کردار کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اسحق کو لکھا کہ ابو عبید نے بالکل صحیح کہا ہے، اس لیے میں ان کا وظیفہ دوچند کرتا ہوں، اب تک تم نے جو رقم وضع کی ہے اس کو مع اضافہ کے ادا کردو[2]۔

مرجعیت و مقبولیت اپنے علمی، دینی اور اخلاقی کمالات کی وجہ سے عوام و خواص ہر طبقہ میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے، علماء اور اصحاب علم کی طرح امراء و رؤسا بھی ان کے مداح اور قدردان تھے، حاکم صاحب مستدرک کا بیان ہو کہ ابن قتیبہ کو مختلف علوم میں فضیلت و تقدم کا دعویٰ ہے لیکن اہل علم نے اس کو تسلیم نہیں کیا[3]، ہر طبقہ و جماعت کے لوگوں میں مقبولیت اور شہرت ابو عبید کا حصہ ہے، ابن سبکی اور حافظ ابن حجر کا بیان ہے "ہو الامام المقبول عند الکل[4]"۔

وفات معتصم باللہ کے عہد خلافت ۲۲۴ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا، ۲۲۲ھ، ۲۲۳ھ اور ۲۳۰ھ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۵، [2] ایضاً ص ۴۰۵، [3] معجم الادباء ج ۶ ص ۶۶ [4] تہذیب ج ۸ ص ۳۱۶ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۱

کی روایتیں بھی ہیں، پہلی روایت زیادہ صحیح اور مشہور ہے، عام روایتوں کے مطابق وفات کے وقت ۶۷ یا ۶۸ سال کی عمر تھی، لیکن ابن کثیر کا بیان ہے کہ ۷۰ سال سے متجاوز ہو چکے تھے، ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ مشہور روایت کے مطابق سنہ ولادت ۱۵۰ھ اور سنہ وفات ۲۲۴ھ ہو، اس لحاظ سے انتقال کے وقت ان کی عمر یقیناً ۷۳، ۷۴ سال کی رہی ہوگی، امیر عبد اللہ بن طاہر نے انکی وفات پر ان اشعار میں اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار کیا،

یا طالب العلم قد مات ابن سلام	وکان فارس علم غیر محجام
مات الذی کان فینا رابع اربعۃ	لم یلق مثلہم استاد احکام
خیر البریۃ عبد اللہ اولہم	وعامر ولنعم التالو یا عم
ہما اللذان اناافوق غیرہما	والقاسمان ابن معین وابن سلام

(ترجمہ) اے علم کے عاشقو! ابن سلام کی وفات ہوگئی، بلاشبہ وہ شہسوار علم تھا، اس شخص کی موت ہوئی ہے جو بے نظیر اور ان چار آدمیوں میں سے چوتھا تھا جن کے مانند معتبر و مستند لوگ مفقود ہیں، ان میں پہلے شخص جو مخلوقات میں افضل ترین تھے، عبد اللہ بن عباس اور دوسرے عامر شعبی ہیں اور اے عامر آپ کتنے عمدہ تابع تھے، یہ دونوں اور قاسم بن معن اور قاسم بن سلام تمام لوگوں میں فائق و برتر تھے۔

وفات کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو انکی بزرگی کی دلیل ہو، ابوبکر زبیدی کا بیان ہو کہ حج سے فراغت کے بعد جب ابو عبید نے واپسی کا ارادہ کیا تو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف دیدار نصیب ہوا، ابو عبید کا بیان ہو کہ میں نے دیکھا کہ آپ جلوہ افروز ہیں، اور گرد چند جان نثار بھی خدمت و حفاظت کے لیے موجود ہیں، زائرین آکر سلام عرض کرتے اور

مصافحہ کرتے ہیں، لیکن مجھے باریابی کی اجازت نہیں تھی، میں نے روکنے والوں سے کہا کہ تم لوگ مجھے
کا موقع کیوں نہیں دیتے، انھوں نے کہا تم کل عراق جا رہے ہو، تم کو کیسے اجازت مل سکتی ہے، میں نے
کہا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، اس دولت کو چھوڑ کر میں عراق نہیں جا سکتا، ان لوگوں نے
مجھ سے عہد و پیمان لینے کے بعد مجھے حاضری کا موقع دیا اور سلام و مصافحہ کی سعادت میسر آئی، اسکے
بعد انھوں نے روانگی کا ارادہ فسخ کر کے مکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور یہیں انتقال کیا
اور جعفر کے گھر میں دفن کیے گئے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مدینہ میں خواب دیکھا تھا اور وہیں انتقال کیا[۱]

حلیہ نہایت وجیہ و شکیل اور پر رعب و باوقار تھے، حنا کا خضاب لگاتے تھے[۲]،

تصنیفات علمی کمالات کے ساتھ وہ مسلمہ مصنف اور اہل قلم بھی تھے، انکی تصنیفات کی خوبی کا جاحظ
جیسے بلند پایہ ادیب و انشاء پرداز کو بھی اعتراف ہے کہ لم یکتب الناس اصح من کتبہ ولا اکثر
فائدۃ۔ ان سے زیادہ صحیح، عمدہ اور مفید کتابیں لوگوں نے نہیں لکھیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں
کہ انکی تصنیفات مشہور و مقبول اور لوگوں میں شائع و ذائع تھیں خطیب اور علامہ ابن حجر لکھتے
ہیں، انکی تمام کتابیں ہر خطہ میں مستحسن اور مقبول سمجھی جاتی تھیں، اور انکے رواۃ بڑے ثقہ، معتبر اور اہم
لوگ تھے، ابن درستویہ فارسی کا بیان ہے کہ انھوں نے قرآن، فقہ، حدیث، امثال، معانی، ادب
اور شعر وغیرہ کے متعلق بڑی مفید کتابیں لکھیں جو روایت کے حسن اور نقل کی صحت کے لحاظ سے بڑی عمدہ
انھوں نے مختلف فنون پر کتابیں لکھیں، مورخین اور علمائے سیر نے ان کو کثیر التصانیف اور صاحب
المصنفات الکثیرۃ لکھا ہے، ابن ندیم وغیرہ نے ان کی بیس[۳] کتابوں کے نام لکھے ہیں، اور یہ بھی لکھا ہے
کہ ان کے علاوہ بھی فقہ میں متعدد کتابیں انھوں نے لکھیں[۴]، ذیل میں ان کی تصنیفات کے نام اور

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۱ و ۴۱۳ و ۴۱۵ و ۴۱۶ تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۹۴ بغیۃ الوعاۃ ص ۳۷۶ البدایہ
والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۹۲ والانتقاء ص ۱۰۷ تہذیب ج ۸ ص ۳۱۶ وطبقات ابن سعد ج ۷ قسم دوم ص ۹۳
۲؎ تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۹۴ و مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۸۵ ۳؎ معجم الادباء ج ۶ ص ۱۶۳، البدایہ ج ۱۰ ص ۲۹۲
تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۶ و تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۴، ۴۰۷ ۴؎ الفہرست ص ۱۰۷

بعض کتابوں کے متعلق مختصر معلومات پیش کیے جاتے ہیں۔
(۱) کتاب الاحداث، (۲) کتاب الحجر والتسلیم (۳) کتاب الحیض (۴) کتاب ادب القاضی
(۵) کتاب الناسخ والمنسوخ (۶) کتاب الایمان والنذور (یہ غالباً فقہی کتابیں ہیں) (۷) کتاب عدد
آی القرآن (۸) کتاب فضائل القرآن (۹) کتاب المقصور والممدود (قرأت وقرآن کے موضوع پر)
(۱۰) کتاب النسب (۱۱) کتاب الشعراء (۱۲) کتاب المذکر والمؤنث (یہ سب انساب، شعر اور نحو
وغیرہ کے متعلق ہیں) (۱۳) کتاب الطہارۃ یا کتاب الطہور۔ اس کا ان کتب حدیث میں شمار ہوتا ہے
جو کسی خاص باب کی حدیثوں پر مشتمل ہوتی ہیں[۱]، حافظ عبدالغنی بن سعید کا بیان ہے کہ اسکی دو حدیثوں
کو کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے[۲]۔ (۱۴) کتاب القرأت۔ یہ فن قرأت کی اہم کتاب ہے، بعض لوگوں
نے اس کو اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب بتایا ہے، خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اتنا مسلم ہے کہ کوفہ میں
اس طرز کی کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی تھی[۳]، (۱۵) کتاب الامثال یا کتاب الامثال السائرۃ
ابوعبید سے پہلے اصمعی، ابوزید، ابوعبیدہ، نضر بن شمیل، مفضل ضبی اور ابن اعرابی وغیرہ نے اس موضوع
پر جو کتابیں لکھی تھیں، یہ کتاب ان سب کی جامع ہے، علاوہ ازیں اس میں روایات و اقوال کو ابواب
کے اندر جمع کیا گیا ہے، ابو عبید عبداللہ بن عبدالعزیز اندلسی متوفی ۴۸۷ھ نے فصل المقال
کے نام سے اسکی شرح لکھی جس میں اس کے مشکلات کی تشریح و وضاحت کے علاوہ بعض اضافے
بھی ہیں، ابوالمظفر محمد بن آدم ۴۱۴ھ نے اس کی شرح لکھی تھی[۴]، (۱۶) کتاب معانی القرآن
اس موضوع پر اس سے پہلے ابوعبیدہ، قطرب بن مستنیر، اخفش اور کوفیوں میں کسائی اور فراء نے
کتابیں لکھی تھیں، یہ کتاب ان سب کی جامع ہونے کے علاوہ آثار و اسانید اور صحابہ، تابعین اور

۱؎ الرسالۃ المستطرفہ ص ۴۰ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۱۳ و طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۷۱ ۳؎ تاریخ بغداد
ج ۱۲ ص ۴۰۵ و ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۱، و کشف الظنون ج ۲ ص ۳۰۱ ۴؎ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۴، ۴۰۵
و کشف الظنون ج ۱ ص ۱۵۰

فقہا کی تفسیروں کا مجموعہ ہے، لیکن اس کا نصف حصہ ہی شاگردوں کو سنا سکے تھے کہ انتقال کر گئے،[۱] (۱۷) غریب القرآن۔ اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ملتی، غالباً یہ غریب الحدیث کے انداز کی کتاب ہے جس کا آگے ذکر کیا جائے گا۔ (۱۸) غریب المصنف یا المصنف الغریب۔ یہ ابوعبید کی اہم کتابوں میں ہے، بعض اصحاب سیر کے نزدیک ان کی سب سے اہم اور بے نظیر کتاب یہی ہے، اس کو نضر بن شمیل کی کتاب الصفات کے انداز پر مرتب کیا ہے، اس میں پہلے انسان، پھر عرش اور اس کے بعد گھوڑوں اور اونٹوں اور دوسرے انواع و اصناف کی خلقت کا یکے بعد دیگرے ذکر ہے،[۲] اس کتاب کو مصنف خود بھی بہت پسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ میرے نزدیک دس ہزار دینار سے بھی بہتر ہے۔[۳] ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی اور علی بن حمزہ بصری متوفی ۳۷۵ھ نے اس کا رد لکھا تھا، اس کے باوجود ابوعبید کی کتاب کی شہرت و مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا، اور وہ عرصۂ دراز تک علمائے فن میں مشہور و متداول رہی، ابوالعباس احمد بن محمد مرسی متوفی ۴۴۶ھ اور یوسف بن حسن بن سیرا متوفی ۳۸۵ھ نے اس کی شرح لکھی، آخری شرح منظوم تھی۔[۴] (۱۹) غریب الحدیث۔ اس کتاب میں حدیثوں کے دقیق مسائل و مباحث اور مشکل الفاظ و لغات کی تشریح کی گئی ہے، ہلال بن علا رقی فرماتے ہیں کہ اس امت پر اللہ نے جن چار بزرگوں کے ذریعہ احسان عظیم کیا ہے ان میں ایک ابوعبید بھی ہیں، انھوں نے غریب حدیثوں کی تشریح و تفسیر کر کے لوگوں کو غلطی میں پڑنے سے بچا لیا، اس کتاب کو بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، اور تمام علمائے فن نے اس کو مستند، اہم اور لائق اعتنا تصنیف قرار دیا، امام احمد کو جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے یہ کتاب دکھائی تو انھوں نے اس کی بڑی تحسین کی اور کہا اللہ ابوعبید کو جزائے خیر عطا فرمائے، ایک روایت کے مطابق امام صاحب نے خود اس کو اپنے ہاتھوں سے نقل کیا تھا، ائمہ حدیث میں امام بخاری،

۱ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۴، ۴۰۵ و کشف الظنون ج ۱ ص ۱۵۰ و کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۱۶ ۳ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۶ ۴ فہرست ابن ندیم ص ۱۰۶، معجم الادباء ج ۶ ص ۱۶۴ و بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ ص ۳۷۶، ۳۷۷ ۵ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۹

مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی تشریحات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس موضوع پر سب سے قدیم اور پہلی تصنیف یہی ہے لیکن یہ صحیح نہیں، البتہ یہ درست ہے کہ اس موضوع پر اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کو اتنی شہرت، اہمیت اور اعتبار نصیب نہیں ہوا، خطیب کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ابوعبیدہ، قطرب، اخفش اور نضر وغیرہ نے اس فن پر جو کتابیں لکھی تھیں، ان میں سندوں کا ذکر نہیں ہے، ابوعدنان نحوی بصری کی کتاب میں سندوں کا ذکر ہے لیکن وہ بہت مختصر ہے، اور اس کی ترتیب و تبویب ابواب سنن پر کی گئی ہے، ابوعبید نے متقدمین کی کتابوں کا اکثر حصہ تشریح و وضاحت کے بعد جمع کر دیا ہے، اور روایات کی سندیں بھی ذکر کی ہیں، اور ترتیب و تبویب مسانید پر کی ہے، یعنی ہر ہر صحابی اور تابعی کی روایات کو الگ الگ بیان کیا ہے، اس کو مصنف نے بڑی محنت و کاوش سے ۴۰ سال میں مکمل کیا تھا، اس کی تکمیل کے بعد مصنف نے جب اس کو امیر طاہر کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ جس شخص نے ایسی بلند پایہ کتاب لکھی ہے وہ یقیناً اس کا مستحق ہے کہ اس کو فکر معاش سے بے نیاز کر دیا جائے اور اس نے دس ہزار ماہوار ابوعبید کا وظیفہ مقرر کر دیا۔[۱]

گو ابوعبید کی اس موضوع پر پہلی کتاب نہیں ہے مگر اس نے بعد کے لوگوں کے لیے ایک نئی راہ ضرور نکال دی، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں" دوسری صدی ہجری کے بعد ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب اس طرح مرتب کی کہ وہی قدوہ اور نمونہ بن گئی، یہ کتاب انکی عمر کا حاصل ہے، اس میں انھوں نے اپنی عمر کھپا دی تھی، ابوعبید کے بعد ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے ان کے نقش قدم کا تتبع کیا، ان کی کتاب بھی اسی پایہ کی یا اس سے کچھ بہتر سمجھی جاتی ہے، اور ان کو خود اعتراف ہے کہ ان دونوں کتابوں کے بعد حدیث میں کوئی ایسی غریب چیز نہیں رہ جاتی

۱ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۱، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۴ و ۴۱۳ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۳ و ۱۶۴ و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۶

جو بحث و کلام کی محتاج ہو، اسی زمانہ میں ابراہیم بن اسحٰق حربی نے بھی ایک ضخیم کتاب پانچ جلدوں میں مرتب کی، لیکن روایات کے اسناد و متون کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے وہ بڑی ضخیم ہو گئی، اور بے شمار فوائد پر مشتمل ہونے کے باوجود متروک ہے، یہ کتاب ہر طبقہ و فن کے لوگوں میں عرصہ تک مشہور و متداول اور غریب الفاظ کے سلسلہ میں بحث و تحقیق کا مرکز رہ چکی ہے، اور وہ مشکلات میں اس کی جانب رجوع اور اس کی تحقیقات پر اعتماد کرتے رہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ یہ نہایت عمدہ اور محدثین، فقہا اور اہل سنت کی پسندیدہ کتاب ہے، اس میں ان سب کے ذوق اور ضرورت کا سامان موجود ہے۔

محب الدین احمد بن عبد اللہ طبری متوفی ۶۹۴ھ نے تقریب المرام فی غریب القاسم بن سلام کے نام سے اس کا مختصر لکھا تھا جس کی تبویب حروف پر کی گئی ہے[1]، غریب الحدیث کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]۔

(۲۰) کتاب الاموال۔ ابو عبید کی مذکورہ بالا تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، لیکن یہ کتاب چھپ گئی ہے، اور بہت سے اجزاء و ابواب پر مشتمل ہے، ہر جزء کے شروع میں راوی نے ابو عبید تک اپنی سند کا بھی ذکر کیا ہے، یہ کتاب اسلامی حکومتوں کے مالیاتی نظام سے متعلق تمام امور و مسائل پر جامع اور حاوی ہے۔

طریقہ تصنیف اس کتاب میں پہلے موضوع زیر بحث کا تجزیہ، اس کی تشریح و وضاحت اور اس کے متعلق احادیث و روایات، خلفائے راشدین، حضرت عمر بن عبد العزیز کے فیصلے، صحابہ و تابعین کے فتاوی اور ائمہ کے اقوال و آراء بیان کر کے ان کے منشاء کی توضیح کی گئی ہے، پھر اختصار کے ساتھ پوری بحث کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے، مثلاً مشرک قیدیوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

[1] کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۶، و تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۵ [2] فہرست کتب خانہ رامپور ج ۱ ص ۱۲۹

"اس سلسلہ میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین سنتیں معلوم ہیں (۱) انھیں احسان کر کے چھوڑ دینا (۲) فدیہ لینا، (۳) قتل کر دینا، قرآن مجید میں بھی ان امور سہ گانہ کا ذکر ہے:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (محمد ع) — پھر یا احسان کیجیو اور یا معاوضہ لیجیو، جب تک کہ لڑائی رکھ دے اپنے اوزار۔

نیز فرمایا:-

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (توبہ ع) — تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ

ان میں سے ہر ایک پر نبی اکرمؐ کا عمل رہا ہے، احسان کر کے چھوڑ دینے کی مثال فتح مکہ میں ملتی ہے، اس کے متعلق احادیث اوپر نقل کی جا چکی ہیں اور ہم بتا چکے ہیں کہ فتح مکہ میں آپ نے کسی کے جان و مال سے تعارض نہیں کیا تھا بلکہ یہ اعلان عام کر دیا تھا کہ الا لا یجہزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ومن اغلق بابہ فہو آمن۔ یعنی نہ تو کسی مجروح پر ہتھیار اٹھایا جائے، نہ بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے اور نہ کوئی قیدی قتل کیا جائے۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے گا وہ مامون ہے۔

اس مفہوم کی دوسری روایات نقل کر کے اہل مکہ کے ساتھ آپ کے احسان کی وضاحت کی ہے، پھر بتایا ہے کہ خیبر اگرچہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا لیکن آپ نے اہل خیبر کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کیا تھا، اس قسم کی بعض اور مثالیں نقل کر کے لکھا ہے کہ من و احسان کے متعلق رسول اللہؐ کا یہ مسنون عمل تھا، اسی کے مطابق خلفاء نے بھی عمل کیا، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طرز عمل کا ذکر کیا ہے۔[1]

روایات کی حیثیت روایات و احادیث کی قوت و استناد کے لحاظ سے کتاب الاموال کو زیادہ مستند نہیں سمجھا جاتا، اس میں زیادہ تر اعمال و سنن نبوی اور صحابہ و تابعین کے طرز عمل اور مسلک کا ذکر ہے جن کی تائید حدیث کی دوسری مستند کتابوں کی روایتوں سے ہو جاتی ہے، ابن حجر جیسے ائمہ فن کا بیان ہے کہ اسکی وہی حدیثیں ضعیف ہیں جو ابو عبیدہ معمر بن مثنی کے واسطہ سے ہیں[2]، اس لئے کتاب کے استناد میں کوئی فرق نہیں آتا۔

[1] کتاب الاموال ص ۱۰۶ تا ۱۱۳ [2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۱۶

بعض خصوصیات حدیث کے علاوہ فقہی اور اجتہادی حیثیت سے بھی اس کتاب کا پایہ نہایت بلند ہے، خطیب وغیرہ کا بیان ہے کہ یہ فقہ کی بہترین کتاب ہے[1]، مصنف نے اس میں صحابہ، تابعین اور ائمہ فقہ وحدیث کے اقوال و فتاوی اور ان کے دلائل کا ذکر کرکے ان پر تنقید و محاکمہ کیا ہے، اور اپنی ترجیح کو دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۲- آیات کے مفہوم، شان نزول، علمائے تفسیر کے اختلافات، آیات قرآنی سے احادیث کے نسخ وغیرہ کے تفسیری مباحث بھی ہیں۔

۳- مغازی، ایام و وقائع، انساب، لغت و عربیت، اشعار عرب اور فارسی زبان وغیرہ سے بھی مصنف کی واقفیت و معرفت کا اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے۔

علمی و تحقیقی معیار مصنف نے اکثر مسائل و مباحث پر بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے جس سے ان کی وسعت نظر اور قوت استدلال کا پتہ چلتا ہے، اس کی ایک مثال یہاں درج کیجاتی ہے۔

خراج اور عشر سے متعلق حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے واسطے سے بعض روایتیں نقل کرکے لکھتے ہیں:

"ان روایتوں کی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو مسلمان خراج ادا کرتا ہو اس پر عشر نہیں عائد ہوگا کیونکہ حضرت عمرؓ و علیؓ نے دہقانی لوگوں کے اسلام لانے پر عشر کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی، اسی کے مطابق امام ابو حنیفہ بھی فتوی دیتے تھے لیکن حضرت عمرؓ و علیؓ کا عشر کا ذکر نہ کرنا اس کے سقوط کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کی اراضی میں عشر مستحق مسلمانوں کا لازمی حق ہے جس کیلئے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ من احیا ارضا میتة فھی لہ یعنی جس نے افتادہ زمین کو کھیتی کرکے آباد کیا وہ اس کی ملکیت ہوگی، اس میں آپ نے علی ان یودی عنھا العشر نہیں فرمایا ہے مگر کیا اس کی وجہ سے کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس قسم کی زمین کی پیداوار پر عشر نہیں عائد ہوگا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء نے لوگوں میں اراضی تقسیم کیں، اور ان میں عشر کی شرط و قید نہیں لگائی، کیونکہ یہ تو ہر مسلمان کے ذمہ خدا کا مسلمہ حق ہے، اور اس کو خدا و رسول ہی کا حکم و قانون تصور

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰۵

کیا جائے گا، خواہ اس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ خراجی زمینوں کی حیثیت بالکل ویسی ہی ہے جیسے کوئی مسلمان کسی زمین کو اس کے مالک سے کرایہ پر لیکر اس میں زراعت کرے تو گویا اس کرایہ دار پر کرایہ کے ساتھ پیداوار پر عشر بھی عائد ہوگا، جبکہ وہ مقدار نصاب کے برابر ہو اور یہی افاضل علماء اور محدثین کا مسلک ہے..... بعض لوگوں نے پیداوار میں ابن عباسؓ کی روایت ما احب ان یجتمع علی المسلم صدقة المسلم وجزیة الکافر یعنی میں کسی مسلمان کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ اس پر مسلمانوں کا صدقہ (عشر) اور کافروں کا جزیہ (خراج) دونوں عائد ہوں، سے استدلال کیا ہے کہ عشر و خراج بیک وقت ایک ہی زمین پر عائد نہیں ہو سکتے، حالانکہ اس کا سرے سے یہ منشا ہی نہیں ہے، بلکہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا مسلک یہ تھا کہ وہ ایک مسلمان کے لیے خراجی زمین کا لینا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ اس طرح اس پر دو حقوق عائد ہو جائیں گے، یہی ان کا مشہور مسلک ہے، کسی صحابی کے بارہ میں ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اس نے یہ کہا ہو کہ لا یجتمع علیہ العشر والخراج یعنی مسلمان پر عشر و خراج دونوں عائد نہیں ہو سکتے اور نہ تابعین میں کسی کا یہ مسلک ہے، صرف ایک روایت حکم سے ضرور مروی ہے، مگر وہ تنہا ایک خراسانی شخص کی روایت ہے[1]،

مصنف کی تحقیق و تدقیق کا ان مقامات پر خاص طور سے اندازہ ہوتا ہے جہاں انھوں نے حضرت عمرؓ کے بعض فتاوے اور فیصلوں کی جن سے بعض متجددین یہ استدلال کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کے صریح احکام کی موجودگی میں بھی قیاس و اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے، توجیہ و تاویل کرکے ثابت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا منشا عین شریعت کے احکام و مصالح کے مطابق تھا، اور انکو اپنے اجتہاد کو حدیث پر مقدم کرنے کا کوئی ادنی خیال بھی نہ تھا،

ان مباحث سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ احادیث و سنن کا مفہوم متعین کرنے میں بھی صحابہ کے بیان کردہ مفہوم و مطلب ہی کو مستند و مرجح قرار دیتے ہیں،

[1] کتاب الاموال ص ۸۰ تا ۹۰

وہ احادیث کو اولین اہمیت دیتے ہیں، پھر خلفائے اربعہ، صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال کو اپنا ماخذ و مستدل قرار دیتے ہیں، اپنے رجحان کا ذکر بھی ان بزرگوں کے اقوال و اعمال کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک احادیث قرآن کے اجمال کی مفسر و مبین ہیں، اور آیات قرآنی کا وہی مفہوم معتبر ہے جس کی تعیین سنت نے کردی ہے، ایسے مواقع پر احادیث و قرآن میں تناقض ثابت کرنے کے رجحان کی انھوں نے مذمت کی ہے۔

۱۳۵۳ھ میں محمد حامد الفقی نے پہلی مرتبہ کتاب الاموال کو ۶۱۹ صفحات میں مصر سے کئی نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کے بعد شائع کیا ہے، شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے، اس میں ابو عبید کے سوانح، تصنیفات اور کتاب الاموال کے مخطوط نسخوں اور طباعت و اشاعت کی روداد کا تذکرہ ہے، حواشی میں اختلاف نسخ کے علاوہ الفاظ و لغات، اسماء و اعلام اور بلاد و اماکن کی تشریح و تحقیق، واقعات و سنین کی تعیین اور کتاب کی روایتوں اور مصنف کے اقوال کی تائید میں دوسری کتب حدیث و فقہ کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

بریلی کے خاندانِ مفتیان
کی
شاعری کا مختصر جائزہ

از جناب ڈاکٹر سید لطیف حسین صاحب ادیب

انیسویں صدی عیسوی میں بریلی میں اردو شاعری کو فروغ بعض علمی خانوادوں میں بھی ہوا، ان خاندانوں کا تعلق سماج کے طبقۂ بالا سے تھا، ان میں دولت و ثروت کے دریا بہتے تھے، فارغ البالی موروثی تھی، مروجہ اعلیٰ تعلیم و تربیت نے ادبی ذوق کو نکھار دیا تھا، سخن سنجی کے ساتھ سخن پرستی بھی جاری تھی، خاندان رہیلہ میں نواب حیدر حسین خاں حیدر، نواب حسن خاں جوش، نواب سلیمان خاں اسد، نواب ظفریاب خاں راسخ، نواب نیاز احمد خاں ہوش اور نواب عبد العزیز خاں عزیز جیسے مقتدر شعراء پیدا ہوئے، جنھوں نے متوسط طبقے کے شعراء کی سرپرستی کی، نواب عطا محمد خاں عطا جن کا تعلق خاندان کمبوہ سے تھا، نہ صرف اردو و فارسی کے نغزگو شاعر، بلکہ مربی سخن بھی، کرامت علی خاں شہیدی، امیر الدین آزاد اور محسن علی خاں جوش ان کے دامن دولت سے وابستہ رہے، خاندان مفتیان گلی مفتیان میں آباد تھا، دولت، ثروت، شہرت اور عزت ان کے قدم چومتی تھی، شعر و شاعری کا شوق ان کی فطرت میں تھا، انھوں نے بریلی میں شاعری کی قندیلیں روشن کیں، اس وقت وہ ہمارے مضمون کا موضوع ہیں۔

مفتیان بریلی کا ابتدائی تعلق قطر مضافات مصر سے تھا، اور وہ براہ بدایوں بریلی پہنچے تھے،

اس سلسلے میں مفتی صابر حسن شیوا عثمانی فرماتے ہیں :-

"خاندانی حیثیت سے میرے آباؤ اجداد علم و فضل کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے، دولت و ثروت میں بھی امتیازی حیثیتوں کے مالک تھے، مغلیہ شہنشاہی دور میں "قطر" مضافات مصر سے دہلی آئے تھے، قدیم رسم و رواج کے مطابق شرفا اہل و عیال کو دار السلطنت میں رکھنا معیوب جانتے تھے، اس لیے ان کو سکونت کے لیے ایسے مقام کی تلاش تھی جس کو شرفاء کی بستی کی حیثیت حاصل ہو، چنانچہ میرے بزرگوں نے اس غرض کے لیے بدایوں کو موزوں سمجھا، اور وہیں سکونت اختیار کرلی، ان ہی بزرگوں کے قیام کی وجہ سے یہ محلہ مولوی ٹولہ کے نام سے موسوم ہوا اور آجتک اسی نام سے معروف ہے، برطانیہ کے دور حکومت میں بھی اعزاز و مناصب کا یہ سلسلہ جاری رہا۔"

مفتی شاہ ابوالحسن المتخلص بہ حسن

آپ صدر الصدور کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوکر بریلی تشریف لائے جس محلے میں قیام کیا وہ گلی مفتیان کے نام سے معروف ہوا، آپ خاندان مفتیان کے پہلے فرد ہیں جو بریلی وارد ہوئے اور مستقل سکونت اختیار کی، آپ زیور علم و فضل سے آراستہ تھے، عربی و فارسی میں کامل دستگاہ حاصل تھی، سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ آل رسول معروف بہ اچھے میاں مارہروی سے بیعت تھے، طبیعت فقر کی طرف مائل تھی، اپنے پیر و مرشد سے بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا، شعر گوئی سے فطری مناسبت تھی، افسوس کہ انکا کلام ضائع ہوگیا، چند فارسی اشعار عبد المجید جامی بدایونی تلمیذ داغ کی بیاض میں محفوظ رہ گئے جو ہدیۂ ناظرین ہیں :-

مژدہ یاراں کہ پریخانہ رواں خواہم شد — شیشہ در دست حریفانہ رواں خواہم شد
صبح در محفل آں غنچہ باتمکیں — منکہ خود بندم و رندانہ رواں خواہم شد
مطربا دور کن از پیش من ایں ساز طرب — بدرش بے سر و سامانہ رواں خواہم شد
بطفیل شہ جیلی سوے خاصان خدا — خاص خواہم شد و خاصانہ رواں خواہم شد
حسن آمد بدیار تو غریبانہ و لے — دارد امید کہ شاہانہ رواں خواہم شد

حضرت شاہ ابو الحسن کے دو صاحبزادے معروف ہوئے مفتی احمد حسن خاں اور مفتی محمد حسن خاں۔

مفتی احمد حسن خاں

یہ وہی مولوی احمد حسن ہیں جنھیں غالب نے اپنے مکتوب بنام قاضی عبد الجلیل میں سلام لکھا تھا، آپ بھی اضلاع ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے، آپ کے متعلق مفتی صابر حسن شیوا عثمانی فرماتے ہیں :-

"ان کے فکر سخن کے سلسلے میں میری معلومات بالکل صفر ہے، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں جس کی تفصیل پیش کرنے سے معذوری ہے۔"

مفتی محمد حسن خاں اسیر

آپ مفتی احمد حسن خاں کے برادر خورد اور مراد آباد میں صدر الصدور تھے، اسلیے مراد آبادی بھی مشہور ہوئے، آپ بھی صاحب تصانیف کثیرہ تھے، مندرجۂ ذیل مطبوعہ کتب یادگار ہیں:

کتاب	زبان	موضوع
(۱) منہاج المعراج شرح معارج العلوم	عربی	در فن منطق
(۲) صلوٰۃ محمدیہ مع کلمات زکیہ	"	در فن اوراد
(۳) چمنستان سخن		دیوان کلام فارسی و اردو
(۴) زورق الذاہب فی بحر المذاہب	فارسی	در فن علم کلام

چمنستان سخن نایاب ہے۔ تذکرۂ نادر (۱۳۱۵ء) میں ایک غزل نقل کیگئی تھی جو مندرجۂ ذیل ہے:-

اے جگر ہم کریں ہم تو عزائے دل — تو وائے دل پکار میں چلاؤں ہائے دل
نکلے دھواں زبان سے نہ کیوں بات بات میں — چنگاری رکھدی سینے میں شاید بجائے دل
ہوش و حواس آپ تو اں سب بلا سے جائیں — آئے ہزار جان پر آفت نہ آئے دل
ہر دم نگاہ تیز سے وہ تانتا ہے تیر — لوہے کا کس طرح کوئی اپنا بنائے دل
اب حبس دائمی کا گلہ کس لیے اسیر — زلفوں میں کیوں پھنسا تھا یہی ہے سزائے دل

آپ کا انتقال ۱۸۶۵ء میں ہوا، آپ کے دو صاحبزادے مشہور ہوئے، مفتی عزیز الحسن خاں

اور مفتی بدر الحسن تفتہ۔ مفتی عزیز الحسن خاں بے مثل طبیب تھے، انھوں نے مرض ذیابیطس پر عربی میں ایک رسالہ البقرہ فی احوال التفسرہ لکھا تھا، جو اردو ترجمے کے ساتھ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں مطبع رفاہ عام گورکھپور سے شائع ہوا، ہم نے آپ کے والد مفتی محمد حسن خاں کی کتابوں کی فہرست بھی اس رسالے کے آخری صفحے سے اخذ کر کے پیش کی ہے، شاید مفتی عزیز الحسن خاں کو شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں تھی کیونکہ ان کے کلام کے متعلق معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔

مفتی بدر الحسن تفتہ
آپ صاحبِ دیوان شاعر تھے، آپ کا غیر مطبوعہ دیوان آپ کے اعزا کے پاس مراد آباد میں محفوظ ہے، فن شاعری میں غلام بسم اللہ بسمل تلمیذ غالب کے شاگرد ہوئے، ان کی مشق کا کلام مشکل زمینوں میں مشکل لغات پر مشتمل تھا، بعد کو داغ کے آفتاب شہرت کی تمازت میں گھل گئے، دہلی ماحول سے زیادہ متاثر ہوئے، جو خاندانی روایات شاعری کے منافی تھا، بایں ہمہ بحیثیت مجموعی انھوں نے ایک ایسا طرزِ بیان اختیار کیا جس میں کلام غالب کی چستی بندش اور داغ کی نمکینی کا امتزاج ہے، بطور نمونہ چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:-

جگر صد پارہ ٹکڑے ٹکڑے دل ہے بیخودی طاری
کسی کے نیم جانوں کو ہے شوقِ امتحاں پھر بھی

ساتھ خلوت میں اداؤں کے پرے لائے ہیں
آپ آئے بھی تو آرائشِ محفل ہو کر

تفتہ نام ہی کا ہے وگرنہ ایک ہیں دونوں
جو شوخی ہے جوانی میں شرارت تھی لڑکپن میں

گلے کب تک یہ شکوے تا کجے آشفتہ دل بس بس
نگاہِ شوق میں شرمندگی سی پائی جاتی ہے

تن کو ڈھانکا زخمِ دامن وار نے
قدر کے قابل ہے عریانی مری

بہکتے ہیں کبھی ہم رند واعظ تیری باتوں سے
فقیر میکدہ ہیں صحبت کامل میں رہتے ہیں

آپ کے صاحبزادگان مفتی مہدی حسن شیدا، مفتی آل حسن صدر اور مفتی آل حسین شیفتہ بھی شاعر تھے، آپ کا انتقال ۱۹۳۶ء میں ہوا۔

مفتی احمد حسن خاں کے دو لڑکے معروف ہوئے، مفتی درویش حسن خاں اور مفتی سلطان حسن خاں المتخلص بہ احسن۔

مفتی درویش حسن خاں
آپ سخن فہم تھے، شعر گوئی کا شوق نہیں تھا، آپ کا حوالہ غالب کے مکتوب بنام قاضی عبد الجمیل میں ملتا ہے:-

"اس زمین میں کہ جس کا قافیہ آپنے درد دل لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی، خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لیکر میرا کلام گمان کیا ہے۔"

آپ کے بھائی مفتی سلطان حسن خاں نے بڑی منزلت حاصل کی۔

مفتی سلطان حسن خاں احسن
آپ عربی و فارسی کے عالم تھے، علوم دینیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی سے استفادہ کیا، ابتدا میں صدر اعلیٰ تھے، بعد کو ترقی کر کے صدر الصدور ہو گئے، شاعری میں غالب کے شاگرد تھے، غالب نے اپنے مکتوب بنام غلام بسم اللہ بسمل میں لکھا تھا:

"آپ کے مصنف صاحب کی بھی غزل میں اصلاح کم ہوئی ہے۔"

یہاں مصنف صاحب سے مراد مفتی سلطان حسن خاں ہیں، مفتی صابر حسن شیوا عثمانی فرماتے ہیں:-

"آخر زمانہ ملازمت آگرہ میں گذرا، وہیں سے مرض موت میں مبتلا ہو کر وطن آنے کیلئے رخصت لی، اور اثنائے سفر حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب علیہ الرحمہ نے خواب میں دہلی آنے کا حکم دیا، چنانچہ بجائے وطن آنے کے دہلی کا رخ کیا اور بقول میرے والد ماجد باون سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور خواجہ صاحب کے جوار میں دائمی سکونت اختیار فرمائی، حضرت حافظ غلام رسول ویران نے آپ کی تاریخ وفات نکالی جو میں نے ۱۹۲۸ء میں خود ان کے مزار پر کندہ دیکھی تھی، اگرچہ امتداد زمانہ نے قبر کو شکستہ کر دیا تھا، اور کتبہ میں روشنائی باقی نہیں رہی تھی۔"

قطعہ تاریخ:-
مولوی سلطان حسن خاں عالم نیکو عمل
چوں سفر کرد از دنیا سوئے دار النعیم

بہر سال رحلت ایشاں بگوش دل رسید
ایں ندا از عالم بالا لہم اجر عظیم

۱۲۹۹ھ
۱۸۸۲ء

افسوس کہ آپ کا کلام بھی ضائع ہوگیا، مفتی صابر حسن شیوا عثمانی نے ایک شعر غزل کا اور دو شعر نعت کے نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں :۔

بت ہی پتھر کا کیوں نہ ہو احسن — اچھی صورت پہ پیار آتا ہے

تمہارے فضل میں سب سے مرا حق فائق ہو — نہیں امت میں بدکردار مجھ سا یا رسول اللہ

مدینہ کی گدائی ہو کہیں سلطان کو حاصل — ملے بہر حسن اس کو یہ عصا یا رسول اللہ

نعتیہ اشعار ایک قصیدے سے لیے گئے ہیں جو حج بیت اللہ شریف کے موقع پر لکھا تھا،

غلام بسم اللہ بسمل مدت العمر آپ کے ناظر رہے، یادگار مجموعہ میں سالک برنی نے لکھا ہے کہ آپ اور بسمل ایک تاریخ میں ہی غالب کے شاگرد ہوئے، افسوس کہ آتش زدگی سے بسمل کا کتب خانہ تباہ ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی مفتیان کے متعلق معلومات کا ایک ذریعہ بھی ختم ہوگیا، مفتی سلطان حسن خاں کے انتقال کے بعد غلام بسم اللہ بسمل نے اہل خاندان کی ادبی دستگیری کی اور سب نے بسمل کے سامنے ہی زانوے شاگردی تہ کیا۔

مفتی سید احمد خاں المتخلص بہ سید

مفتی احسن کے خاندان میں یہ روایت سننے میں آئی کہ ان کے ایک بزرگ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف روہیلہ حریت پسندوں کا ساتھ دیا اور بغاوت کے جرم میں سزایاب ہو کر انڈمان بھیج دیے گئے، جہاں سے وہ ہندوستان واپس نہیں آئے۔

ہمارے خیال میں یہ روایت مفتی سید احمد خاں سے تعلق رکھتی ہے، انکے والد کا نام سید کرامت علی تھا اور وہ بدایوں میں مقیم تھے، مفتی سید احمد خاں بریلی میں رہے، آپ وجیہ و شکیل انسان تھے، آپ کی حقیقی بھانجی قاضی عبدالجمیل جنوں بریلوی تلمیذ غالب سے منسوب تھیں، غالب نے اپنے مکتوب بنام قاضی عبدالجمیل بریلوی میں لکھا تھا :

"صاحب وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے مجھکو پہنچا اور اس کا جواب تم کو بھیجا۔"

یہاں سید مظلوم سے مراد مفتی سید احمد خاں ہیں، ابرار علی صدیقی بدایونی آئینہ دلدار میں رقمطراز ہیں :

"غدر کے زمانے میں روہیلوں کا ساتھ دینے کی بنا پر آپ کو دریائے شور بھیج دیا گیا، بالآخر رہائی کے بعد ساحل ہندوستان تک آنے میں چند روز باقی تھے کہ ۱۲۷۲ھ (مطابق ۱۸۵۹ء) میں جوان العمری میں انتقال ہوا۔ اولاد نہیں تھی، سید تخلص تھا۔"

آئینہ دلدار میں صفحہ ۱۹ پر مفتی سید احمد خاں کے نام غالب کا فارسی مکتوب مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۱ء بھی چھپا ہے، اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب غالب کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے، ایک مناجات اور چند اشعار جو آپ نے زمانۂ اسیری میں لکھے تھے، ابرار علی صدیقی کے پاس محفوظ ہیں۔

مفتی سلطان حسن خاں کی ایک صاحبزادی قاضی محمد خلیل حیراں ابن قاضی عبدالجمیل جنوں بریلوی کو منسوب ہوئیں، دو صاحبزادگان یعنی مفتی حبیب الحسن احسن اور مفتی عماد الحسن محو نے شہرت پائی،

مفتی حبیب الحسن احسن

آپ مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بندوبست کے دفتر میں ملازم ہوگئے اور بسلسلۂ ملازمت اجین اور مالوہ میں رہے، برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں وفات پائی، غلام بسم اللہ بسمل کے شاگرد تھے، شیریں بیانی میں شہرت حاصل کی، انکے چند اشعار مندرجۂ ذیل ہیں :

ہاتھ ان کے ناز سے کچھ پیار سے — ہوگئے میرے گلے میں ہار سے

تجھ کو کیا معلوم کیفِ بیخودی — پوچھنا زاہد کسی میخوار سے

ایک ہی یاد پر نا مور رہیں — سبحہ کا رشتہ ہے زنار سے

آبلہ پائی کی احسن وحشت میں — داد ملتی ہے زبانِ خار سے

مانگنے والے سے کچھ بھی نہیں کہتا کوئی — دل کے دینے میں سب کرتے ہیں قائل مجھکو

کیا ڈراتی ہے مجھے موت میں زندہ کیوں ہوں — عدم آباد ہے اک طے شدہ منزل مجھکو

میں بتاؤں ابھی چل بیٹھئے تنہائی میں — یاد کثرت سے ہیں وحدت کے مسائل مجھکو

آپ کے تلامذہ میں ماتا پرشاد زیب نے شہرت حاصل کی، آپ کے صاحبزادے مفتی ساجد حسن بھی شاعر ہیں۔

شوق تخلص ہے، اور پاکستان میں قیام ہے۔

مفتی عماد الحسن محو آپ کے متعلق سالک برنی یادگار محو میں رقمطراز ہیں:۔

"آپ بریلی کے مشہور مفتیوں کے خاندان سے ہیں، یہ خاندان بہ اعتبار اپنے فضل وکمال خلق وتکریم، تواضع، سخاوت ومروت معروف خلائق رہا ہے، آپ کی شرافت و نجابت زمانے پر اظہر من الشمس ہے، اگرچہ آپ نے خود ملازمت کی طرف توجہ نہ فرمائی اور خانہ نشینی کی زندگی بسر کی تاہم رفاہ عام سے غفلت نہ برتی اور ہمیشہ اپنے اعزہ واقربا، دوست احباب اور دوسرے عام لوگوں کی طبابت سے خدمت فرماتے رہے۔ آپ کی ولادت ۲۴ جولائی ۱۸۶۴ء مطابق ۱۹ صفر المظفر ۱۲۸۱ھ یوم یکشنبہ وقت ۱۰ بجے دن بریلی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم عربی وفارسی مولوی سید ہدایت علی صاحبؒ سے حاصل کی اور تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی جو ایک جید عالم وفاضل تھے، فن طب میں عالی جناب مستند الاطبا حکیم سید آغا حسین مرحوم جو راجہ صاحب وینک کے یہاں ممتاز تھے، شاگرد رشید ہوئے، شاعری کی طرف توجہ آپ نے پندرہ سال کی عمر سے کی تھی، آپ کو فن شاعری کے استاد کامل مولوی حاجی غلام بسم اللہ صاحب بسمل ارشد تلامذہ حضرت غالب دہلوی سے فیض حاصل ہوا، آپ قادر الکلام ہر صنف شعر کے ماہر، کامل، رموز شاعری کے رمز شناس، مخزن تخیل وجذبات تھے، آپ کا ابتدائی کلام جو آپ کے استاد کی نظر سے گذرا ہوا تھا، اور بہت زیادہ سخت زمینوں میں تھا اتفاقی وجوہات سے موجودہ سے زیادہ تلف ہوگیا، اب ایک مختصر مجموعہ جو آپکی حیات میں بھائی صادق حسن صادق اور صابر حسن شیوا اور سردار احمد خاں صاحب ناظم نے بڑی جانکاہی سے جمع کیا تھا ہے۔ آپ کا حسن اخلاق، آپ کی خوش فراجی، آپ کا علم، آپ کی تواضع، آپ کا عجز وانکسار، آپ کا تبحر فضل وکمال مستغنی عن التوصیف ہے جس سے ایک مرتبہ روشناسی ہوگئی زمرۂ احباب میں داخل ہوگیا۔ آپ ۲ مئی ۱۹۲۶ء کو حج بیت اللہ کے لیے دوبارہ تشریف لیگئے

۱۴ اگست ۱۹۲۶ء کو واپس ہوئے، ۲۹ اگست ۱۹۲۶ء کی شب کو بریلی پہنچے، صرف آٹھ دن تندرست رہے، چار دن معمولی تپ ولرزہ رہا اور تین دن شدید مرض میں مبتلا رہ کر ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۲۶ء بہ یوم شنبہ دس بجے رات کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما ہوئے جناب مولوی مجتہد الدین صاحب عیش بدایونی کی حسب ذیل تاریخ میرے خیال میں واقعے کے لحاظ سے حاصل تواریخ ہے، ملاحظہ ہو:

مبارک تھا سفر اے مفتیِ عالی گہر تیرا	جو حج سے واپس آیا ہے جناں میں جاکے ٹھہرا ہے
کہا رضواں نے حوروں سے چلو اٹھو زیارت کو	لب کوثر مدینہ کا مسافر آکے ٹھہرا ہے"

۱۹۲۶ء

دراصل مفتی عماد الحسن محو کی عظمت کا راز اس میں بھی پوشیدہ ہے کہ وہ مربی سخن تھے، وہ لوگ تو بڑے ہوتے ہی ہیں جو بڑے کام انجام دیتے ہیں، مگر ان سے زیادہ بڑے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کو بڑا کام انجام دینے کے لیے تیار کرتے ہیں، محو خود بھی نغز گو شاعر تھے اور انھوں نے کئی عمدہ شاعر بریلی کو عطا کیے، انھوں نے ۱۹۱۲ء میں "بزم ادب" کی تشکیل کی، اس کے باقاعدہ مشاعرے ہوتے تھے جن کی محفلیں مشرقی روایاتِ تہذیب کا نمونہ تھیں، ان میں شہر کے اساتذہ اور ان کے متوسلین شریک ہوتے تھے، اور ان میں شرکت باعثِ فخر سمجھی جاتی تھی، بزم ادب ۱۹۴۷ء تک قائم رہی، جوان مرگ اعتماد الدین احمد عرش جن کو افلاس نے جوانی میں پیوند خاک کیا اور جن کی شاعری ان کی مدقوق جوانی کا المیہ بن گئی، محو کے تربیت یافتہ تھے، نمونۂ کلام یہ ہے:۔

لبریز فراغ ہے جوانی میری	رنگینیٔ داغ ہے جوانی میری
اے خندۂ گل میں بھی سراپا گل ہوں	مفلسی کا چراغ ہے جوانی میری

لذت کش انبساط ہولیں ہم بھی	جی کھول کے ایک بار رولیں ہم بھی
ساقی دریا دلی ہے تیری مشہور	بہتے دریا میں ہاتھ دھولیں ہم بھی

اسی بزم ادب کے پروردہ سردار احمد خاں ناظم تھے، جن کی حسن بینی نے ان کی غزل کو ایک صاحب باطن کے تخیل کی پاکیزگی اور جن کے غمزدہ دل کے لہو نے انکے اشعار کو رنگینی عطا کی تھی اور

محبت کی حقیقت کھولدی حسن تخیل نے
فضائے دل فضائے لامکاں معلوم ہوتی ہے

دیکھکر تیری تمنا سے فضا کو معمور
غنچہ غنچہ کو یہ حسرت ہے کہ میں دل ہوتا

ہوگا نہ ہم سا کوئی ممنون نامرادی
دیکھا تو رنج دیکھا انجام ہر خوشی کا

یہ نظام عالم امکان کی گردش کے خلاف
اسقدر تاریک کیوں ہے میری صبح زندگی

جب حکیم فصیح الزماں اثر نے اخبار الفصیح بریلی کے ساتھ گلدستہ نہال سخن جنوری ۱۹۱۱ء میں جاری کیا تو محو نے معاون اور سرپرست کی حیثیت سے اس گلدستے کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا، اور فروری ۱۹۱۲ء سے مارچ ۱۹۱۳ء تک وہ خود اس کے مدیر رہے، چنانچہ فروری ۱۹۱۲ء ہی سے گلدستے کی ظاہری و معنوی شکل میں ترقی اور اس کا معیار بلند ہوا، حکیم فصیح الزماں اثر محو کے معترف تھے، وہ جب تک بریلی میں رہے وقتاً فوقتاً بزم ادب کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔

مفتی عماد الحسن محو کا دور بریلی میں ذہنی کشمکش کا دور تھا، انیسویں صدی کی پہلی دہائیوں میں بھی اس قسم کی کشمکش کا سراغ ملتا ہے، لکھنؤ میں جرأت و ناسخ ابھر چکے تھے اور شعرائے بریلی جن کا تعلق اس وقت لکھنؤ سے قریب کا تھا، اپنی فطری سادگی ترک کر کے شعر کی خارجی تزئین کو اپنانا چاہتے تھے جس کی بنیاد میر غلام علی عشرت (المتوفی ۱۸۲۱ء) نے رکھدی تھی، انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں خاندان روہیلہ کے شعراء اساتذۂ لکھنؤ سے وابستہ تھے، اور مفتی خاندان کے شعرا کو غالب سے نسبت تھی، حسن رضا خاں حسن تلمیذ داغ کے ذریعہ داغ کے رنگ کی اشاعت بریلی میں ہو رہی تھی، اور عام مقبولیت داغ کے رنگ تغزل کو ہی حاصل تھی، محو بھی اسی سے

متاثر ہوئے، چنانچہ گلدستہ نہال سخن (۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۵ء) میں محو کی مطبوعہ غزلیات میں یہ اشعار بھی ملتے ہیں:

ڈالدے رحم بھی اس شوخ کے جی میں یا رب
تو نے بخشا ہے جو ارمان بھرا دل مجھکو

کبھی بگڑے کبھی بکھرے کبھی الجھے کبھی سلجھے
ترے گیسو مرا حال پریشاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر کو دیکھئے ہو آپ ہی سے روئے سخن
کچھ عرض کرنا مجھے آپ کی جناب میں ہے

سوا میرے وہ کوئی دوسرا ہے یہ تو فرمائیے
قسم جھوٹی ہمیشہ جس کے سر کی کھائی جاتی ہے

نگاہ شوخ ہے جھینپی ہوئی کس کی تمنا سے
حیا کس کی نگاہ شوق سے شرمائی جاتی ہے

چلے ہیں میکدہ واعظ پئے نصیحت و پند
ادھر جو پڑا جو کوئی مست تو مزا ہوگا

تیوریاں بدلیں بگاڑا منہ دکھائی چشم قہر
اس نے میرا قصد اظہار تمنا دیکھکر

ہیں نیچی نگاہیں و دم رفتار جوان کی
وہ اپنی اداؤں کی ادا دیکھ رہے ہیں

الزام ملا آج یہ شکوہ پہ جفا کے
کہتے ہو ستمگار ہو طالب بھی وفا کے

پھر اور ہی کچھ لطف ہو واعظ کے بیان میں
دو گھونٹ بھی پی لیں جو ہوش اپنا کے

دامن نہ پکڑ لوں میں کہیں ہاتھ نہ تھاموں
چلتے ہوئے چپکے سے ذرا آنکھ بچا کے

بیتابیٔ دل تو نے بنا کھیل بگاڑا
لائے تھے انھیں راہ پہ مشکل سے منا کے

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مندرجۂ بالا اشعار محو کے اس دور کی یادگار ہیں جب ان کی شاعری پختگی کے کمال کو پہنچ چکی تھی،

محو کو غالب سے بھی نسبت تھی ؎

ہوں فرد محو حضرت غالب کے فیض سے
دعوی ہو جس کو لکھے غزل وہ جواب میں

جدا ہے طرز میری سب سے ہو ہوری کر کھلی
جناب غالب و بسمل کی یادگار ہوں میں

اس لیے ان کے کلام میں اس رنگ کے اشعار بھی ہیں،

شرمندہ ہوں کہ کیوں انھیں چھیڑا عتاب میں
سختی پڑیں گی جو وہ کہیں گے جواب میں

ہے رنج کو ثبات مسرت ہے بے ثبات
روتا ہوں جاگ کے میں تو ہنستا ہوں خواب میں

ہوں زیست سے یہ تنگ کہ زنگی ہی سی کہوں
مجھ سے صلاح لیں وہ اگر میرے باب میں

ہوں فرد محو حضرت غالب کے فیض سے
دعویٰ ہو جس کو لکھے غزل وہ جواب میں

اٹھتے ہیں خاک ہو کے تری رہگذر سے ہم
دبتے ہیں اب کہیں فلک فتنہ گر سے ہم

مجبور پھر ہیں ملنے پہ اس فتنہ گر سے ہم
اترے ہیں جب کے دل سے گرے ہیں نظر سے ہم

دل کیا گیا کہ روز کے غم سے ملی نجات
سر کیا گیا کہ چھوٹ گئے درد سر سے ہم

اے سیل گریہ تو نے وہ آرام کھو دیا
سر پھوڑتے جنوں میں جو دیوار و در سے ہم

مثل غبار صورت فتنہ برنگ حشر
اٹھتے ہیں بیٹھ کر کہیں اس رہگذر سے ہم

انجام کار خلق میں بد نام ہو گئے
کاوش سے غیر ظلم سے تم چشم تر سے ہم

اے بیکسی چلیں گے جو وحشت میں سوئے دشت
دو تین بھی لیتے جائیں گے ساتھ اپنے گھر سے ہم

دل ہی کچھ کاوش پیہم کے مزے لیتا ہے
لذت تیر مژہ لائق تعزیر نہیں

تم وہ عالم آشنا سارا زمانہ جس طرف
میں وہ متروک خلائق ہوں جدھر کوئی نہیں

چھٹ جائیں ہم کشاکش امید و بیم سے
ہو جائیں مطمئن جو غم جاوداں ملے

نظارہ سوز وہ تیرا جلوہ کہ کچھ جسے
حاجت حجاب کی نہ ضرورت نقاب کی

کر نہ شکوے دل بیتاب کہ ان باتوں سے
آبرو ریزی ارباب وفا ہوتی ہے

کچھ یاس سے ہو جاتی ہے تسکین کی امید
ہر عقدۂ دشوار مرا عقدہ کشا ہے

دیدنی ہے یہ تماشا کہ دم آرائش
ان کو حسرت ہے جو آئینہ کو حیرانی ہے

ممتاز شعرا نہ مقلد ہوتے ہیں اور نہ غیر مقلد، وہ روایت سے گریز نہیں اکتساب فیض کرتے ہیں، وہ اپنے ماحول سے بے نیاز نہیں رہتے، اس کی اچھائیوں کو اپنا لیتے ہیں، وہ مستقبل سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ نشاط امید کے ذریعہ مستقبل پر نظر رکھتے ہیں، اس لیے وہ غزلگو شعرا جنھیں انفرادیت کا حامل کہا جا سکتا ہے، اپنے خاندان شاعری سے بھی مستفید ہوتے ہیں، اور ماحول کے اثرات بھی قبول کرتے ہیں، مگر روایت میں پیوست نہیں ہوتے اور نہ اپنے ماحول کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں، ان دونوں سے مناسب استفادہ کرتے ہیں، ان کی ذہانت اور شخصیت جو شمع روشن کرتی ہے، اس کی روشنی میں ماضی کے نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں اور حال کے نشانات بھی،

محو کا ماضی تو غالب نوازی سے عبارت تھا، لیکن ان کا ماحول داغ کے قبضہ میں تھا، اسلیے ان کی غزل ان دونوں اثرات کا مظہر تھی، اس میں ان کے ذاتی میلانات اور رجحانات بھی تھے، ان سب نے مل کر محو کے تغزل میں جو رنگ پیدا کیا وہی انکا امتیازی رنگ اور میرے خیال میں بریلی کی تاریخ شاعری میں ان کا خاص اضافہ ہے۔ اس کا نمونہ یہ ہے ۔

مجھے اور تم سے ملال ہو مجھے اور تم سے ملال ہے
یہ تمہارا صرف گمان ہے یہ تمہارا محض خیال ہے

کرے بیخودی کا خدا بھلا کہ امید و بیم سے چھٹ گیا
نہ کسی کے ہجر کا غم رہا نہ کسی کا شوق وصال ہے

جو صفائی دونوں میں ہو گئی تو بنے گا صیقل آئینہ
وہ جو میری سمت سے کینہ ہے جو ترے دل میں گرد ملال ہے

وہ سناؤ باتیں رقیب کو جسے نہ کوئی بھی سن سکے
تیری طبع کو نہ ملال ہو مجھے صرف اسکا خیال ہے

یہ جو آج لطف ہے اسقدر یہ کرم جو ہے مرے حال پر
کوئی گھات ہے کوئی بات ہے کوئی بھید ہے کوئی چال ہے

ہے طریق سب سے جدا مرا ہے گواہ اس پہ خدا مرا
نہیں کچھ کسی سے گلا مرا نہ مجھے کسی سے ملال ہے

کبھی اب بھی آتے ہیں یاد ہم کہ تمھارے دل سے اتر گئے
پس مرگ یاروں سے محو کا لب گور یہ سوال ہے

مزاج راہ پہ آئے تو عرض حال کروں
وہ آ گئے ہیں مگر انتظار باقی ہے

حجاب اور سوا ہو تو لطفِ دید ہے
نگاہ کو بھی ذرا لطف جستجو آئے

نام جس کا بھی نکل جائے یہ قسمت اسکی
قیس میں ہم سے زیادہ تو کوئی بات نہ تھی

تمھاری بزم میں پھر سب کو لطف آجائے
مرے نصیب کی گردش ملے جو ساغر کو

ہر ایک کو نہیں ملتی یہ ودیعت خاص
ہر ایک کو دلِ درد آشنا نہیں ملتا

مفتی عماد الحسن محو نے پانچ لڑکے یادگار چھوڑے، ان میں مفتی انوار حسین اختر کا انتقال جوانی میں ہوگیا، شیوا عثمانی فرماتے ہیں کہ وہ "مفروضہ شاعر" تھے۔

مفتی طیب حسن شاد آپ محو کے سب سے بڑے صاحبزادے اور ابھی تک بقید حیات ہیں، عمر نوے سال ۹۰ سے تجاوز کر چکی ہے، بوجہ کبر سنی حواس پر قابو نہیں ہے، فن شعر گوئی میں اپنے والد سے استفادہ کیا، ان کا جوانی کا کلام میری نظر سے گذرا ہے، جو صاف ستھرا ہے، کسی مخصوص رجحان کا پتہ نہیں چلتا، دو اشعار بطور نمونہ مندرجہ ذیل ہیں ؎

فغاں فریاد نالہ آہ گریہ دل کی بیتابی
کلیجہ سے لگا لیتے ہیں دل کو پیار کرتے ہیں

دل ناداں یہ انکی دوستی پر بھولنا کیسا
وہ جس کو سر چڑھاتے ہیں اسی کو خوار کرتے ہیں

مفتی صدیق حسن درد آپ کو بھی اپنے والد سے تلمذ حاصل تھا، ترک وطن کرکے مراد آباد چلے گئے تھے اور وہیں ۱۹۵۵ء میں وفات پائی، صاحب دیوان شاعر تھے، غیر مطبوعہ دیوان ان کے صاحبزادے کے پاس مراد آباد میں محفوظ ہے۔ انھیں زبان پر زبردست قدرت حاصل تھی، زود گو تھے اور بے تکان اشعار کہتے تھے، مفتی بدر الحسن تفتہ کی طرح وقتی حالات سے زیادہ متاثر ہوئے، ان کے تین اشعار بطور نمونہ درج ہیں ؎

نگہ رک کر چلے گی پھر رکے گی دو قدم چل کر
بڑی اٹکھیلیاں کرتی تری محفل سے نکلے گی

لذتِ بیداد نے خوگر کیا تقصیر کا
خواہشِ جور و جفا نے [illegible] کو بندا کر دیا

آپ کیوں پھر گئے مجھ سے مری قسمت کی طرح
آپ کیوں روٹھ گئے مجھ سے مرا دل ہو کر

مفتی صادق حسن صادق آپ نے بھی غزلگوئی میں اپنے والد سے استفادہ کیا، بڑے باغ و بہار انسان ہیں، عمر ستر سال کے قریب ہوگی، جوانی میں بریلی سے باہر رہے، زیادہ وقت اجین و مالوہ میں گذرا، جہاں شعر و شاعری کا ماحول نہیں تھا، اس لیے جو روایات سینے سے لگا کر لے گئے تھے ان سے سر مو تجاوز نہیں کیا، محو کے تمام صاحبزادگان میں یہ تنہا شاعر ہیں جو غالب نوازی کی خاندانی روایت پر آج تک قائم ہیں، خود فرماتے ہیں ؎

اسے حاصل ہے فیضِ معنوی سرکارِ غالب سے
کریگا ہمسری کیا کوئی صادق سے سخنور سے

دو غزلیات مندرجہ ذیل ہیں ؎

تنگ جنوں ہیں جیب و گریباں مرے لیے
کافی ہے ایک تارِ رگِ جاں مرے لیے

جیتا ہوں انتظار میں فردائے شوق کے
دشواری حیات ہے آساں مرے لیے

رحم و کرم کا اس کے سزاوار کر دیا
وجہ نجات بن گئے عصیاں مرے لیے

دنیائے دل سکون کی خاطر اجڑ گئی
کس سے کہوں کہ گھر ہے بیاباں مرے لیے

لذتِ کش ستم ہوں رہینِ کرم نہیں
غم چاہیے بحد فراواں مرے لیے

یہ اور بات ہے نہیں تابِ دید کی
ہے شمعِ طور اب بھی فروزاں مرے لیے

صادق وفور کشمکش غم نہ پوچھیے
ہے اک عذاب شوقِ فراواں مرے لیے

یوں آرزوئے دید سے کاوش جگر میں ہے
یعنی حصول لطف کا ساماں نظر میں ہے

وہ کیفیت وہ لطف وہ اندازِ دلبری
سیدھی نظر میں کب ہے جو ترچھی نظر میں ہے

شدت میں درد کی یہ بتانا محال ہے
ہوتی ہے دل میں ٹیس کہ کاوش جگر میں ہے

دنیا سمائے خاک ہماری نگاہ میں
ہے قصہ یہ کہ اس کی حقیقت نظر میں ہے

شرط وعدہ لفظ اگر سے نہ کیجئے — پوشیدہ میری موت کا ساماں اگر میں ہے

ملتا نہیں ہے منزلِ مقصود کا پتہ — روزِ ازل سے رُوح ہماری سفر میں ہے

انجام وردِ عشق کا ہوتا ہے جو بھی کچھ — صادق وہ اپنی چشمِ حقیقت نظر میں ہے

مفتی صابر حسن شیوا | آپ اس وقت اس خاندان شاعری کی آبرو ہیں، فاضل مشرقیات ہیں، پندرہ سال بریلی کے ایک ہائی اسکول میں فارسی و اردو کے مدرس رہے، برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے، وہاں اردو لغت کی تدوین کے سلسلے میں ترقی اردو بورڈ کراچی کے رکن رہے، فن شاعری میں اپنے والد سے فیضیاب ہوئے، آٹھ سال کی عمر میں پہلا شعر موزوں کیا، چودہ[14] سال کی عمر میں فارغ الاصلاح ہوئے، سولہ[16] سال کی عمر میں دوسروں کی غزلیات پر اصلاح دینے لگے، اٹھارہ[18] سال کی عمر میں والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے، ہر صنف سخن پر قادر ہیں، اپنی شاعری کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"جس کی پشت در پشت شاعرانہ ذوق منتقل ہوتا رہا ہو اور جس نے صحیح شاعرانہ ماحول میں آنکھ کھولی ہو اور آغوشِ شعر و ادب میں نشو و نما پائی ہو اس میں اگر ذوقِ سلیم کی صلاحیتیں استعداد موزونیت کو اجاگر کر دیں تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ مجھے برخلوص دل اعتراف ہے کہ حضرت نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، حکیم مومن خاں مومن اور رئیس المتغزلین حضرت مولانا حسرت موہانی کے مطالعۂ کلام سے میں نے اکتساب فیض کیا ہے، اور میں ان حضرات کو اپنا استاد معنوی تصور کرتا ہوں، ان کے علاوہ دوسرے اساتذۂ متقدمین کے کلام سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور مستفید ہوا"

یہ تبصرہ اتنا صحیح اور مکمل ہے کہ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں، ان کے کلام کا مختصر انتخاب مندرجہ ذیل ہے:

نظر میں اب تماشائے راز رہنے دے — حقیقتوں کو بہ طرزِ مجاز رہنے دے

ابھی شعور نشیب و فراز رہنے دے — ابھی سے ختم نہ کر امتیاز رہنے دے

جنونِ عشق کی مختاریوں کا ذکر نہ چھیڑ — نوائے شوق کو ہنگامہ ساز رہنے دے

حضورِ دوست نہ کر ظرفِ آستیں کا گلہ — وفورِ گریۂ غم کا جواز رہنے دے

جنم دیا اسی کاوش نے خود نمائی کو — غرورِ کاوشِ آئینہ ساز رہنے دے

کچھ آزمائشِ ظرفِ نظر کی راہ نکال — تجلیوں سے ابھی ساز باز رہنے دے

یہاں تو چین سے گذرے نہ چار دن شیوا
خضر کا قصۂ عمرِ دراز رہنے دے

بے محل پرسشِ حالات پہ رونا آیا — اس رہ و رسمِ ملاقات پہ رونا آیا

دیکھ کر رند کے ماتھے پہ ندامت کا عرق — شیخ کے زعمِ کرامات پہ رونا آیا

دل نے جب عشرتِ ماضی کا فسانہ چھیڑا — اپنے گذرے ہوئے لمحات پہ رونا آیا

انکی پرسش پہ یہ نوبت تو نہ آئی تھی کبھی — آج کیا تھا مجھے ہر بات پہ رونا آیا

جام منہ دیکھ کے دینے کی یہاں رسم نہ تھی — بدعتِ پیرِ خرافات پہ رونا آیا

کچھ ہنسی آئی زمانہ کی روش پہ شیوا
کچھ بدلتے ہوئے حالات پہ رونا آیا

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مفتی خاندان بریلی کی شاعرانہ عظمت شیوا پر ختم ہو رہی ہے، کیونکہ بدلے ہوئے حالات میں نئی نسل کی دلچسپیاں نئے تقاضوں کے مطابق ہیں، اور اس سے اپنے اسلاف کے علم و فضل کی توقع بے سود سی ہے۔

ماخذ | مکتوب گرامی جناب صابر حسن شیوا عثمانی مورخہ ۵ مئی ۱۹۶۶ء بنام جناب

صدیق احمد سالکؔ برنی،

مکتوب گرامی جناب صابر حسن شیوؔا عثمانی، مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۶۷ء، بنام ڈاکٹر لطیف حسین ادیبؔ

(مضمون میں جتنے حوالجات شیوؔا صاحب سے منسوب ہیں ان کا ماخذ یہ مکاتیب ہیں)

یادگار محوؔ مرتبہ سالکؔ برنی (مطبوعہ حسن پریس ٹاؤن ہال بریلی ۱۹۶۷ء)

آئینۂ دلدار مرتبہ محمد ابرار علی صدیقی (مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۶ء)

عود ہندی مرتبہ چودھری عبد الغفور سرورؔ مع تصحیح امیر حسن نورانی (مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۶۰ء)

تذکرہ نادرہ مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ (مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء)

تلامذۂ غالب مالک رام (مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی ۱۹۵۷ء)

حیات حافظ رحمت خاں مولفہ سید الطاف علی بریلوی (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء)

گلدستہ نہال سخن بریلی منیجر فصیح الزماں آزاد رہوی جنوری ۱۹۱۱ء تا اکتوبر ۱۹۱۵ء (مطبع منتخب العلوم بریلی)

عراق میں جدید عربی شاعری کا ارتقاء

از جناب ڈاکٹر سید احتشام احمد صاحب ندوی لکچرر شعبۂ عربی و فارسی عثمانیہ یونیورسٹی آندھرا پردیش

(۳)

محمد سماوی محمد بن شیخ طاہر سماوی سماوہ میں ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے، جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی تو ان کے والد نے ان کو علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لیے نجف اشرف بھیجدیا حصول تعلیم کے بعد وہ بغداد واپس آئے۔ "انجمن ولایت" میں چار سال تک کام کیا، جب بغداد انگریزوں کی طاقت سے مغلوب ہو گیا تو وہ نجف چلے گئے، اور وہاں کے قاضی مقرر ہو گئے،

زمانۂ شباب میں غزل اور اخوانیات کے موضوع پر بہت کچھ کہا تھا، مگر پھر ان کو چھوڑ کر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور ائمۂ اثنا عشر کی منقبت کے لیے اپنی شاعری کو مخصوص کر لیا، ان کے غیر مطبوعہ اشعار کی تعداد دس ہزار سے کم نہ ہوگی،

ان کی تصانیف مندرجۂ ذیل ہیں :۔

۱۔ الكواكب السماوية فی شرح القصيدة الفرزدقية ۔

۲۔ ابصار العين فی انصار الحسين ۔

۳۔ ظرافة الاحلام فيما نظم فی المنام ۔

۴۔ الطليعة فی شعراء الشيعة (غیر مطبوعہ)

۵۔ شجرة الرياض فی مدح النبی الفياض (مجموعۂ قصائد)

۶۔ ثمرة الشجرة فی مدح العترة المطہرة۔ (مجموعۂ نظم)

شاعری: اگرچہ سماوی نے تغزل میں بھی اپنی جولانی طبع کا مظاہرہ کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ انکی شاعرانہ عظمت کا صحیح اندازہ ان کی نعتوں یا ان اشعار سے ہوتا ہے جن میں انھوں نے اپنے عجز و ندامت و شرمساری کا اظہار کیا ہے۔

حضورؐ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

زین وجہ الدھر میلادہ
وزادہ روحاً وفضل ارتیاح

اسکی ولادت نے عالم کا چہرہ منور اور اسکی روحانیت و اطمینان میں اضافہ کر دیا۔

کف اکف السوء عن یثرب
ووطد الامن بکل النواح

ہر برائی کو یثرب سے دور کر دیا اور اس کے گوشہ گوشہ میں امن کی عملداری ہو گئی۔

وانتشر النور وبان الہدی
فلاح للعالم منہ فلاح

روشنی پھیل گئی، ہدایت جلوہ فگن ہو گئی جس سے ایک عالم کو فلاح نصیب ہوئی۔

سماوی نے مدح کے علاوہ زندگی کے نشیب و فراز کی بھی بڑی خوبی سے تصویر کشی کی ہے، اس نے ایک نظم "عبد الصبا" لکھی ہے، اس میں وہ کہتا ہے:

خفض علیک فالمشیب تداتی
یضحک منک کاشراً اضراسہ

اپنے کو دنیا کے بوجھ سے ہلکا کرو اس لیے کہ بڑھاپا آگیا جو دانت نکالے ہوئے تمہارا مذاق اڑا رہا ہے

لم تدع الخمسون منک جانباً
الاھدم مرھا اساسہ

پچاس برس کی عمر نے کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جسکی بنیاد کو عمر کی تلخیوں نے ڈھا نہ دیا ہو۔

جوانی کے نشہ کو یاد کر کے کہتا ہے۔

ایام اغدو مرحاً وانثنی
جذلان لیقین الغرام کاسہ

یاد ایامیکہ میں ہر دو نوشے سے صبح کرتا، اور شراب کا جام پینے کے لیے تیزی سے لپکتا تھا۔

پھر جوانی کی دیوانگی سے توبہ کرتا ہے،

یاد ہے نفسی ھل اری توبة
ارخص عن ثوبی ادناسہ

افسوس ہے اپنے نفس پر، کیا میں کبھی توبہ کر کے اپنے کپڑے کو گناہوں کے میل سے پاک کر سکونگا۔

پھر وہ امید کے دھوکے کا ذکر کرتا ہے:

حتی متی ارجو اطراد املی
وکیف لما اختشی بی انعکاسہ

کہاں تک امید کو خیر باد نہ کہوں اور کیسے نہ ڈروں کہ وہ ناامیدی کی شکل کر لیگی۔

عبد الحسین ازدی: عبد الحسین ازدی ۱۲۹۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، ۱۵ برس کی عمر سے شاعری کرنے لگے، ۱۹۱۱ء میں جریدہ "المصباح" جاری کیا، فرانسیسی زبان سے بھی پوری طرح واقف تھے، پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں جلا وطن کر دیے گئے، بطل الحریۃ اور تاریخ الفرق قدیماً وحدیثاً ان کی مقبول کتابیں ہیں۔

ان کی شاعری وطن پرستی کے جذبات سے معمور ہے، وطن کے غم میں انکو اپنی مطمئن زندگی بھی غیر مطمئن معلوم ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں:

وطنی لاجلک قد عدمت قراری
وسئمت فیک حیاۃ ھذہ الداری

اے میرے وطن، تیری وجہ سے میں اپنا سکون کھو بیٹھا اور میں اس وطن کی زندگی سے گھبرا اٹھا

احی اللیالی والعیون ھواجع
وھواجس فی جنحھا سماری

میں راتوں کو جاگتا ہوں اس حال میں کہ آنکھیں خواب آلود ہوتی ہیں خیالات اوہام داستان بنکر آتے ہیں۔

شاعر نہ صرف وطن کی غلامی پر نوحہ خواں نظر آتا ہے بلکہ وہ اہل وطن کے انحطاط اور سماج کے مختلف طبقات میں تکلیف دہ مناظر سے اپنے دل میں چبھن اور سوز دروں کی کیفیت محسوس کرتا ہے، وہ یتیم کی تصویر کشی ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

طال السقام علیہ حتی اضطرہ
ان یدفع الآلام بالتعلیل

اس کا مرض بڑھ گیا حتی کہ اس کو مجبور کردیا کہ وہ درد والم کو بہلائے رکھے۔

لم یبق منہ غیر طرف فاتر
کبصیص نور فی الظلام ضئیل

ایک بجھتی نگاہ کے علاوہ اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا، جیسے اندھیرے میں مضمحل روشنی کی چمک۔

شیخ کاظم دجیلی

شیخ کاظم دجیلی جمادی الاول ۱۳۰۱ھ میں دجیل نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، ان کے والد حسین بن عبد ان ان کی ولادت کے بعد بغداد آگئے، معمولی تعلیم کے بعد ہی ان کو شعر و ادب کا ذوق پیدا ہوگیا، پہلی جنگ عظیم میں ان کے ایک مضمون پر ترکی حکومت نے ان کو سات برس کی سزا دیدی جس سے جنگ کے بعد رہائی ملی، اور وہ قانون کے کالج میں داخل ہوگئے، پھر مستشرقین کو عربی پڑھانے کے لیے ان کو برلن بلایا گیا، انھوں نے جرمنی کے سفر کا سفرنامہ لکھا مگر وہ ضائع ہوگیا۔

ان کی متعدد تصانیف ہیں، مگر سب غیر مطبوعہ ہیں، ان کے نام یہ ہیں: رحلۃ الغزات تاریخ النجف، تاریخ الکوفۃ، تاریخ الکربلاء۔ تاریخ الکاظمیۃ اور العلم والادب فی العراق وغیرہ

دجیلی کی شاعری میں سماجی اصلاحات اور آزادی کے جذبات کے ساتھ بڑی ذہنی بلندی
شراب کی مذمت میں کہتے ہیں:

وجدت الخمر اولہا مرار
وآخرہا التشار بہا خمار

شراب کا آغاز تلخی ہے اور انجام خمار

تطیش بہا عقول راجحات
واحلام وادمغۃ کبار

اس سے اچھی بھلی عقلیں زائل اور بڑے بڑے دماغ بیکار ہوجاتے ہیں۔

وتذہب صحۃ ویجیئ سقم
وتسلب الجلالۃ والوقار

صحت رخصت ہوجاتی ہے، بیماری لگ جاتی ہے اور جلالت و وقار رخصت ہوجاتا ہے

ترکی غلامی اور آزادی کے سلسلے میں کہتے ہیں:

ایہا الحاکمون ظلما علی الناس
رویدا فاﷲ بالمرصاد

اے ظلم سے حکومت کرنے والو! ذرا صبر کرو، اللہ تمھاری گھات میں ہے۔

اپنی قوم سے خطاب کرتے ہیں:-

یا سواد العراق احلک القو
م وقد کنت روضۃ المرتاد

اے عراق، قوم نے تجھکو ویران کردیا، حالانکہ تو تلاش کرنے والوں کی جنت تھا

قوم کی بدحالی کا ماتم ان الفاظ میں کرتا ہے:

ساءت معیشۃ فکل حیاۃ
نفس معذبۃ وطرف ساہر

زندگی خراب و خستہ ہوگئی ہے، سانس عذاب اور آنکھ بے خواب ہے۔

کاظم دجیلی کی شاعری میں عشق و محبت کے مرقعے بھی ہیں:

قلبی بکل ہوای لاسمک ذاکر
ہل انت شاعرۃ فانی شاعر

میرا دل جذبۂ محبت کی سرشاری کے ساتھ تیرے نام کا ورد کرتا ہے، میں شاعر ہوں کیا تو بھی شاعرہ ہے۔

یرتاح قلبی للذکری ویطرب کلما
وافاہ طیف من خیالک زائر

جب تیرے خیال کی لہر دل میں آتی ہے تو قلب لذت محسوس کرتا ہے۔

لم یبق منہ الشوق الاصورۃ
یاسی لہا لما یراہا الناظر

شوق محبت نے ظاہری ڈھانچے کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا ہے جس پر دیکھنے والا ترس کھاتا ہے۔

والحب فلسفۃ تعذر وصفہا
وعن الحقیقۃ کل فہم قاصر

محبت ایسا فلسفہ ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، فہم اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔

انی لاحوی فی الفواد محبة — لم تحوها للعاشقین ضمائر

میرے دل میں ایسی محبت ہے جس سے دوسرے عاشقوں کے دل خالی ہیں

شاعری کے بارہ میں دجیلی کا نقطۂ نظر ان اشعار سے معلوم ہوگا:۔

ان خیر القریض ما کان منه — یطرب للسامعین بالانشاد

بہترین شعر وہ ہے جن کو سنکر لوگ وجد میں آجائیں۔

والذی نظمه یقص علی القا — رئی وعظاً یذیب قلب الجماد

اور جو انیا نصیحت آموز ہو جس سے پتھر کے دل پگھل جائیں۔

سلس اللفظ والعبارة جزل — معجز باهر کشعر زیاد

زیاد کے اشعار کی طرح جس کے الفاظ آسان، عبارت سہل، ممتنع اور دلکش ہو

عبد العزیز جواہری | عبد العزیز جواہری کا شمار عراق کے بنیادی شعراء میں ہے، اس کی شاعری زندگی اور حقیقت کی ترجمان ہے، اس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کو موضوع شاعری سمجھتا ہے، چنانچہ کہتا ہے:

خلیلی ما معنی الشعر فاننی — أری کل شئی شاعراً مترنما

دوستو! شعر کے معنی کیا ہیں، میری نگاہ میں ہر چیز ایک مترنم شاعر ہے۔

هل النجم الا روضة نرجسية — اری البدر فیها شاعراً متبسما

ستارے نرگس کا چمن ہیں اور اس میں چاند ایک متبسم شاعر ہے۔

وہ نوجوانوں کو جد و جہد پر ابھارتا اور مشکلات پر قابو پانے کی ترغیب دیتا ہے

تطلب فی شبابك للصعاب — فما عمر الفتی غیر الشباب

مشکل مراحل جوانی میں طے کرو، کیونکہ اصل عمر شباب ہے۔

ودع طلب الهوان لمبتغیه — فان المجد اجدر بالطلاب

ذلت اور پستی کو اس کے متلاشی کے لیے چھوڑ دے، تلاش کی اصل چیز مجد و شرف ہے۔

فافیقوا من رقدة الجهل لو کا — ن یثیر الاموات قولی افیقوا

جہالت کی نیند سے بیدار ہو، کاش میری شاعری مردوں کو بیدار کر سکتی۔

ابغیر الکمال تصفوا ویحلو — مورد رائق وعیش انیق

کیا بغیر کمال کے زندگی شیریں اور پاکیزہ ہو سکتی ہے۔

فالکمال الکمال فالنقص عار — بالفتی و الساعة الحال ضیق

کمال حاصل کرو، کمال جوانوں کے لیے نقص عار اور حالات کی وسعت بھی تنگی ہے۔

جواہری کی شاعری میں سیاسی حالات کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ خلیفہ عبد الحمید کی معزولی پر اپنے جذبات ان الفاظ میں ظاہر کیے ہیں:

اراك اسیر احزان وقید — وقد کنت اراك ترسف فی سرور

میں تجھکو غم و قید میں گرفتار دیکھتا ہوں حالانکہ تو نشاط و سرور میں مست تھا۔

وکنت الامیر علی السرایا — فکیف سخت فی قید الاسیر

تو فوجوں کا سپہ سالار تھا اب قید میں کیسے چلتا ہے۔

لقد اوغرت صدر الجند حتی — اراك الدهر عاقبة الغرور

تو نے فوج کو برہم کر دیا اور زمانہ نے تجھکو تیرے غرور کا انجام دکھایا۔

شیخ محمد رضا الشبیبی | محمد رضا شبیبی نجف اشرف میں ۲۰ رمضان ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی، علم و عمل کی دولت ان کو وراثت میں ملی، انھوں نے عرب و عجم کے نامور علماء سے استفادہ کیا اور آگے چلکر سیاسی امور سے بھی دلچسپی لی، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ کو

مکہ معظمہ کے الجھے ہوئے حالات کو سلجھانے کے لیے مکہ پھر وہاں سے دمشق گئے، اور عربوں کی سیاست کو سدھارنے کی تدبیریں کرتے رہے۔ جب عراق میں بغاوت ہوئی تو ۱۹۳۳ء میں بغداد آگئے، اس زمانہ سے ابتک وہیں مقیم اور علم و ادب کی خدمت میں مشغول ہیں۔

انھوں نے فلسفہ کا بڑا گہرا مطالعہ کیا، اور اشعار کے علاوہ اپنی تصانیف اور مقالات میں فلسفیانہ افکار پیش کیے، ان کی تصانیف میں فکر و نظر کی گہرائی، علم کی وسعت اور ادب کی رعنائی ملتی ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں ان کی یادگار ہیں:

(۱) تاریخ الفلسفة (عہد قدیم سے دور جدید تک) (۲) تذکرے ۔

(۳) فلاسفة الیھود فی الاسلام (۴) تاریخ النجف۔ (۵) القاموس من لغة القاموس (۶) دیوان الشبیبی ۔

شبیبی کو عراقی شعراء میں امتیازی مقام حاصل ہے، اور اس کی شاعری افکار عالیہ سے معمور ہے، اس نے اپنی شاعری میں فکر و فن دونوں کے جلوے دکھائے ہیں، اس نے فکر و تخیل کی بلندی کے ساتھ حزن جگر اور سوز دروں سے فن میں لالہ کاری کی ہے، وہ خود کہتا ہے

لیس ھذا الشعر ما تروونہ ان ھذی قطع من کبدی

یہ شعر نہیں ہیں جن کو تم روایت کرتے ہو بلکہ یہ میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔

اس کی شاعری قومی آزادی کے جذبات سے معمور ہے، اس نے عراق کی جنگ آزادی میں دلوں کو گرمایا، عزائم کو بیدار کیا ہے اور حریت فکر کو جلا بخشی۔

اس کی ایک نظم "دمشق و بغداد" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ماذا بنا و بذی الدیار یراد فقدت دمشق و قبلھا بغداد

میرے پاس کیا باقی رہ گیا ہے اور اہل دیار سے کیا مراد ہے؟ میں نے دمشق کھو دیا اور اس سے قبل بغداد کھو چکا ہوں۔

الملک مضطرب النظام کانہ جسد دمشق الشام منہ فؤاد

ملک کا نظام مضطرب ہے، گویا وہ جسم ہے اور شام کا شہر دمشق دل کی حیثیت رکھتا ہے

لولا التفکر فی مصیر بلادکم تاللہ ما ضاقت علی بلاد

اگر تمھارے ملک کے انجام کی فکر مجھے دامن گیر نہ ہوتی تو میرے لیے دنیا تنگ نہ تھی۔

انی ابیت لاجلھا متململا قلق الوساد و ما لدی وساد

میں ملک کی حالت پر تڑپ اور بے قراری کے ساتھ راتیں بسر کرتا ہوں، بستر پر مضطرب رہتا ہوں اور میرے پاس بستر بھی نہیں ہوتا (سوا اضطراب کے بستر کے)۔

عربوں کو اختلاف کے نتائج سے آگاہ کر کے اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔

اضدادکم متساندون وقد اجتنوا ثمرا لوفاق وانتم اضداد

تمھارے دشمنوں نے اپنے اتحاد و اتفاق سے اس کا ثمرہ حاصل کر لیا اور تم آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہو۔

اس کی شاعری میں عشق و محبت کے بھی مرقع ملتے ہیں،

تفاھمتا عینی و عینک لحظة و ادرکتا ان القلوب شواھد

میری اور تمھاری آنکھوں نے ایک نظر میں ایک دوسرے کو پہچان لیا جس پر دل شاہد ہیں۔

مشت نظرة بینی و بینک وانبری من القلب مدلول الی القلب رائد

میرے اور تمھارے درمیان ایک نگاہ سے محبت کی بات دل سے نکل کر دل میں جاگزیں ہو گئی۔

احادیث لم تلفظ وللنفس منطق وجیز و الفاظ اللسان زوائد

وہ ایسی باتیں تھیں جو زبان سے ادا نہیں ہوتیں، دل کی گفتگو مختصر ہوتی ہے اور زبان کے الفاظ حشو ہوتے ہیں۔

خیری الہنداوی

خیری الہنداوی کا باپ ترک اور ماں عرب تھی، ۱۳۰۳ھ میں عراق کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، پانچ سال کی عمر میں ان کے والدین بغداد آگئے، والد نے ان کو فوجی مدرسہ میں داخل کرنا پسند نہ کیا، اور غیر فوجی مدرسے اس وقت بغداد میں نہ تھے، اور خود ہی ان کو تعلیم دیتے رہے، "شنافیہ" میں ان کی ملاقات شیخ محمد سماوی سے ہوئی، انھوں نے خیری کو شاعری کا شوق دلایا، خوش قسمتی سے ان کے مراسم دو مشہور عراقی شعراء رصافی اور زہاوی سے ہوگئے، اس سے ان کو بڑا فائدہ پہنچا۔

ترکی میں جب انجمن اتحاد و ترقی قائم ہوئی، تو خیری نے اس کی حمایت میں قلم کے جوہر دکھائے اور عربوں کی جد و جہد آزادی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، ترکوں نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا، لیکن وہ جیل سے مفرور ہوگئے اور ایک دوست کے گھر چھپے رہے، جب بغداد پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو ۱۹۱۷ء میں ان کو مالی منیر کا عہدہ ملا، مگر پھر بغاوت کے جرم میں ان کو جلاوطن کر دیا گیا، عراق کی آزادی کے بعد ۲۲ سنہ میں عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔

خیری کی نظم "زینت دخالد" ان کی بہترین نظموں میں ہے۔

ان کا کلام بلند خیالات کا حامل ہے، ایک طالب علم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں

الی المجد قد ہافہی المجد تنزع   فقد طال ما ترجو وما تتوقع

اپنے نفس کو عظمت و بزرگی کی طرف لے جا اس لیے کہ نفس بلندی ہی چاہتا ہے۔ جس چیز کی تجکو آرزو ہے اس پر طویل مدت گذر چکی ہے۔

اری الارض قد ضاقت علی برحبہا   فہل انت یا ابن الاکرمین موسع

زمین باوجود اپنی کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے، اے شریف زادے کیا تو اس میں وسعت پیدا کر سکتا ہے

آگے چل کر کہتا ہے۔

ولست امرأ ابغی حیاۃ طویلۃ   یذل بہا للشانئین ویخضع

میں طویل زندگی کے متلاشی کو ذلیل سمجھتا ہوں، اسلیے کہ وہ کمینوں کے سامنے جھکتا ہے

ولکن ابغی حیاۃ شریفۃ   بما عشت فی اضیاءہا اتمتع

لیکن میں ایک زندگی چاہتا ہوں جس کے اجالے میں عمر بسر کر سکوں۔

اپنے وطن پر فخر کر کے کہتا ہے:-

ان ارضا قد انبتت مثل قومی   ہی ارض اجدٰ بہا ان تشوقا

وہ سرزمین جس نے میری جیسی قوم کو جنم دیا اس لائق ہے کہ لوگ اس کی زیارت کا شوق کریں

معروف الرصافی

رصافی عصر جدید کے عراقی شعراء میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے، اس نے اپنی شاعری سے جدید عراقی شاعری میں زندگی اور تابندگی پیدا کی ہے، اسکی شاعری اعلیٰ مشرقی اور صحت مند مغربی اقدار کا مجموعہ ہے، رصافی کی پوری زندگی ملک و قوم کی خدمت میں گذری،

رصافی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ایک فوجی مدرسہ میں داخل ہوئے، مگر ترکی زبان اور غیر ادبی ماحول سے گھبرا کر اس کو چھوڑ دیا، اور ایک دینی مدرسہ میں علوم دینیہ وعربیہ کی تکمیل کی اور ایک مدرسہ میں مدرس ہوگئے، ۱۹۰۸ء میں جب دستور کا اعلان ہوا تو رصافی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو کر ترکی چلے گئے، ۱۹۲۱ء میں نائب رئیس "لجنۃ الترجمۃ والتالیف" مقرر ہوئے، پھر تعلیمات کے انسپکٹر مقرر ہوگئے، آٹھ برس پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۵ء میں بغداد میں وفات پائی اور سترہ تصانیف یادگار چھوڑیں۔

رصافی امت اسلامیہ کے زوال سے بہت متاثر تھے، انھوں نے اپنی شاعری

کے ذریعہ اس میں روح پھونکنے کی کوشش کی، مسلمانوں کی بے حسی پر کہتے ہیں

فما انتبھوا ولا نفع الملام کان القوم اطفال نیام

نہ وہ بیدار ہوئے اور نہ ملامت نے ان کو نفع پہنچایا، گویا قوم سوتا ہوا بچہ ہے۔

ایک نظم میں کہتا ہے کہ ہم نے عرب اور اندلس میں شاندار تہذیب پیدا کی تھی، اور پوری دنیا کو نئی راہ دکھائی تھی، مگر اب ہم ترقی کی راہوں سے ہٹ گئے، اس کا ایک شعر ہے

عجبی یا قوم کل العجب ھذہ الآثار لم لا نقتفی

مجھے بڑا تعجب ہے کہ جب ایسے ایسے آثار موجود ہیں تو ہم ان کے نقشِ قدم پر کیوں نہیں چلتے

اسلام ترقی کا مانع نہیں ہے

یقولون فی الاسلام ظلما بانہ یصد ذویہ عن طریق التقدم

وہ لوگ ظلم کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام ترقی کی راہ سے روکتا ہے

فان کان ذا حقا فکیف تقدمت اوائلہ فی عھدھا المتقدم

اگر یہ صحیح ہوتا تو اسلام کے علمبرداروں نے پچھلے زمانہ میں کس طرح ترقی کی تھی۔

جو لوگ دین کے نام پر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں وہ دین پر بہتان باندھتے ہیں

فمن قام باسم الدین یدعو مفرقا فذ عواہ فی اصل الدین بھتانٌ

عورتوں کی تعلیم و اصلاح کی جانب بھی وہ توجہ دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاشرہ کبھی ترقی یافتہ نہیں بن سکتا، جب تک کہ عورتیں بھی علم کی راہوں پر گامزن نہ ہوں،

من این ینھض قائماً من نصفہ یشکو السقام بفالج متوصبا؟

وہ شخص کیسے کھڑا ہو سکتا ہے جس کا ایک حصہ مفلوج ہو۔

جمیل زہاوی

زہاوی ایک عالم اور فلسفی شاعر ہیں، ان کی شاعری الفاظ و بحور کے لحاظ سے تو کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن خیالات کی بلندی کے لحاظ سے اس کا مرتبہ بہت بڑا ہے،

زہاوی نے طویل عمر پائی، ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوا، اور ۱۹۳۶ء میں انتقال کیا، اپنی زندگی میں بہت سے انقلابات دیکھے، اس لیے سیاسی نظریات میں ان کے یہاں تضاد نظر آتا ہے، مگر فلسفہ و تغزل میں ان کی شاعری بڑی جاندار ہے، عہد عثمانی میں وہ مجلس معارف بغداد کے رکن تھے، سرکاری رسالہ کے مدیر بھی رہے، عراق میں پارلیمنٹ قائم ہونے کے بعد اس کے رکن بنائے گئے، مصر، طہران اور شام وغیرہ کے سفر کیے جس سے ان کے فکر و خیال میں وسعت پیدا ہوئی، مطالعہ کی وسعت اور فکر کی بلندی میں وہ اپنے معاصرین پر سبقت رکھتے ہیں،

زہاوی تجدد پسند شاعر تھے، ان کی دو نمایاں خصوصیات ہیں، حکومت کے مظالم پر تنقید اور اہل دین کی مخالفت، ان کی تجدد پسندی کی بنا پر ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا وہ ہر قدیم سے بیزار اور ہر جدید کے پرستار تھے،

سئمت کل قدیم عرفتہ فی حیاتی

میں ہر قدیم سے اکتا گیا ہوں،

ان کان عندک شیٔ من الجدید فھات

اگر تمھارے پاس کوئی نئی چیز ہو تو لاؤ۔

وہ اپنے خیالات میں اتنا آگے اور سب سے الگ تھے کہ اپنے کو تنہا محسوس کرتے تھے۔

انا لقیت فی بغداد ضنکا ای ضنک

میں بغداد میں سخت تنگی میں مبتلا ہوا۔

طالما کنت بمعزل الناس وابکی

اکثر لوگوں سے الگ ہو کر رویا کرتا تھا،

انحی الیوم فی بلادی اسیر   لیت شعری متی یکون فکاکی

آج میں اپنے ملک میں قیدی ہوں، کاش میں جانتا کہ میری رہائی کب ہوگی!

زہاوی نے ایک طربیہ الہیہ لکھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاعر مرجاتا ہے، قبر میں منکر نکیر سوالات کے جوابات غلط پاکر اس کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں، پھر اسکو جنت لے جاکر اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کراتے ہیں کہ اس کو ان کی حسرت پیدا ہو، زہاوی دیکھتا ہے کہ جہنم میں بہت سے شاعر اور فلسفی فرزدق، امرأ القیس، معری، عمر خیام دانتے، سقراط، افلاطون، نیوٹن، روسو، شکسپیر اور ابن سینا وغیرہ جمع ہیں، زہاوی اہل جنت کے خلاف دوزخ والوں کو بھڑکاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ نعمتوں سے محظوظ ہوتے ہیں اور تم لوگ ان سے محروم ہو، چھکر انقلاب کردو۔ ابو العلاء معری مجمع کو مخاطب کرکے اس کو بغاوت پر ابھارتا ہے۔

غضبوا حقکم فیا قوم ثوروا   ان غصب الحقوق ظلم کبیر

اے لوگو! تمھارا حق اہل جنت نے چھین لیا ہے، اس لیے بغاوت کرو، حقوق کا غصب کرلینا بڑا ظلم ہے۔

غضبوا حقنا ولم ینصفونا   انما نحن للحقوق نثور

انھوں نے ہمارے حقوق چھین لیے اور انصاف نہیں کیا، اس لیے ہم حق کے لیے بغاوت و انقلاب کرتے ہیں۔

اتنے میں فرشتے آتے ہیں، اور مجمع کو منتشر کرنا چاہتے ہیں، باہم تصادم ہوتا ہے

بالآخر اہل جہنم جنت پر قبضہ کرلیتے ہیں، اور جشن فتح مناتے ہیں،

زہاوی کی زندگی اور شاعری دونوں انقلابی تھی، اس نے بادشاہ کے سامنے اپنے اس رزمیہ کے بارے میں کہا تھا کہ اگر میں زمین پر انقلاب برپا کرنے سے قاصر رہا تو آسمان پر انقلاب کرنے کی مجھے اجازت ہونی چاہیے،

اس مقالہ میں مندرجۂ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:۔

۱۔ الشعر العراقی الحدیث   مصنفہ ڈاکٹر عزالدین مطبع اسعد بغداد ۱۹۶۰ء

۲۔ الشعر العصری فی العراق العربی (حصہ نظم)   مصنفہ رفائیل بطی

۳۔ محاضرات عن جمیل الزہاوی   مصنفہ ناصر الحانی،

۴۔ محاضرات عن معروف الرصافی   مصنفہ مصطفیٰ علی ۱۹۵۳ء

آثارِ تاریخیہ

مولانا شبلی کی ایک تقریر

(یہ تقریر مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے چوبیسویں سالانہ جلسہ اپریل ۱۹۰۹ء میں کی تھی، محمد اقبال صاحب لاہور نے اس کو اس جلسہ کی رُوداد سے نقل کرکے بھیجا ہے، اس کو ایک تاریخی یادگار کی حیثیت سے شائع کیا جاتا ہے۔)

"م"

مولوی احمد بابا صاحب نے مخدومی نے مولانا مولوی شبلی نعمانی صاحب کو حاضرین جلسہ سے انٹروڈیوس کرتے ہوئے فرمایا کہ صاحبان! اب وقت مولانا مولوی شمس العلماء شبلی ابن خلدون ثانی فاضل لوذعی و عالم یلمعی جامع فروع و اصول اسم بامسمی شبلی نعمانی کا ہے، جن کے دیدار فیض آثار کے لیے ہماری آنکھیں ترستی اور ان کے کلام معجز نظام سننے کے لیے کان اس طرح منتظر شنیدن ہیں جس طرح گوش روزہ دار بر اذان۔

صاحب صدر[1] و دیگر حضرات انجمن! آپ لوگوں میں سے شاید بعض صاحبوں کو

[1] مولانا صاحب کی تقریر کے وقت جلدی میں جو نوٹ لیے گئے تھے، اس سے یہ تقریر قلمبند کی گئی تھی، خاکسار آنریری ایڈیٹر نے مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر چاہا کہ مولانا ممدوح نوٹوں سے تیار کی ہوئی تقریر کی اصلاح فرما کر یا مکرر لکھوا کر تقریر عنایت فرما دیں، لیکن خاکسار کی یہ درخواست شرف قبولیت حاصل نہ کر سکی

(باقی حاشیہ ص ۱۳۹ پر)

معلوم ہوگا کہ جیسے ہندوستان میں بعض مصلح یا ریفارمر پیدا ہوئے ہیں، اسی طرح مصر میں بھی ایک نامور مصلح پیدا ہوئے، (راقم کو ان کا نام نہیں یاد رہ گیا) وہ پرانے طرز کے عالم تھے، جبہ و عمامہ اور پاؤں میں چپل پہنا کرتے تھے، لیکن باوجود اس تقدس اور سادگی کے ایک دفعہ ضرور فرانس یا جرمنی کا سفر کیا کرتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ یورپ کیوں جاتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ یہاں رہ کر بوسیدہ ہو جاتا ہوں، وہاں جا کر پھر تازہ ہو جاتا ہوں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ایشیا میں افسردگی چھا جاتی ہے اور یورپ میں تازگی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرات! جب سے میں نے اپنے تعلقات ملازمت چھوڑے ہیں اور ندوہ کی خدمت کو مقصد زندگی قرار دیا ہے، مجھے بھی تازگی اور جوش کی حرارت محسوس ہوئی ہے، لیکن میں یورپ تو نہیں جاتا، پنجاب کا سفر کرتا ہوں، تاکہ اپنی افسردگی کو تازگی اور جوش سے بدل سکوں۔ ہمارے ملک میں جو سستی اور کاہلی پائی جاتی ہے وہ یہاں (پنجاب میں) نہیں ہے آپ کا ملک ہمہ تن جنبش اور حرکت میں ہے، میں نہیں جانتا کہ آپ اس کا صحیح استعمال کیوں نہیں کرتے، اگر صحیح استعمال کرتے تو ضرور بڑھ جاتے، لیکن یہ سٹیم اور بھاپ بیکار رہا جاتا ہے۔ میں نے بمبئی کے میمنوں کو دیکھا ہے، کلکتہ کے معززین کو دیکھا ہے جن لوگوں نے ہندوستان میں بڑا کام کیا ہے، ان کا درجہ اور اقتدار ان کے کام میں بڑا معاون و مددگار رہا ہے، بمبئی میں ہائی اسکول ہے، جو بدرالدین طیب جی کا قائم کردہ ہے، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۸) چونکہ تقریر ازبس مفید ہے، اس لیے نوٹوں سے جو دوران تقریر میں لیے گئے تھے، تیار کی گئی۔ جہاں مولانا کے مربوط فقرات والفاظ ہیں (اور یہ اکثر ہیں) وہ نقل کر دیے ہیں لیکن جہاں یہ التزام نہیں ہو سکا اور اس کا بہت کم موقع ملا ہے وہاں پر مولوی صاحب کے مفہوم تقریر کے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خاکسار: عبدالکریم آنریری ایڈیٹر

ان کی ذاتی وجاہت سے چل رہا ہے، کلکتہ میں کوئی مثال موجود نہیں، کراچی میں اسلامیہ ہائی اسکول
ہے، پنجاب میں اسلامیہ کالج ہے، جس کی عمارت کچھ سامنے ہے کچھ بننے والی ہے، یہ کن
لوگوں نے قائم کیا، کیا کسی خطاب یافتہ نے قائم کیا ہے، یا لکھ پتی یا کروڑ پتی نے، ہرگز نہیں
باوجود اس کے کہ اس کے قائم کرنے والے نہ تو لکھ پتی تھے نہ کروڑ پتی اور نہ خطاب یافتہ
پھر بھی اس کو شروع کرکے یہاں تک پہنچا دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں جوش
زیادہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ حدیث پڑھتے ہیں، یعنی ہمارے علماء، کیا وجہ ہے کہ
ان میں وہ اخلاق اور عمدہ صفات پیدا نہیں ہوتیں جو اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین
میں پائی جاتی تھیں۔ مانا کہ ویسے نہیں ہو سکتے لیکن کچھ تو ہونا چاہیے، بس خیال کر لیا جاتا ہو
کہ ان کی طاقتیں فوق البشر تھیں، چڑیا اڑتی ہے تم کیوں نہیں اڑتے، اس لیے کہ اڑا
نہیں جاتا، میں بدر الدین حسن علی نہیں ہوں اس لیے ایسا کام نہیں کر سکتا، مگر یہ ضرور نہیں
کہ بڑے بڑے لوگ ہی بڑے کام کریں، اگر خیال کیا جاوے تو ہر ایک آدمی بڑا کام
کر سکتا ہے۔

اس کالج یا انجمن کا نام اس پر منحصر ہے کہ آپ جلسہ کرتے ہیں، چندہ ہوتا ہے،
جو اس کی بقا کا باعث ہے، مگر یہ کوئی مستقل اور پائدار طریقہ نہیں ہے، اگرچہ جب تک
اور صحیح طریقہ نہ نکلے اسی پر چلنا چاہیے، آپ کو چاہیے کہ ایک دفعہ کوشش کرکے پندرہ بیس لاکھ
روپیہ جمع کر لیں تاکہ روزانہ کی گداگری سے نجات ہو، یہ تو آپ کا مسلک ہے کہ اس طرح کام
چل جاتا ہے۔ بلحاظ آپ کی انجمن کے مدرسہ کی مقامی حالت کے جو کچھ میں کہتا یا تعلیم انگریزی
کے متعلق ہوتا یا آپکے مدرسے سے اس کا تعلق ہوتا۔ لیکن میں پاتا ہوں کہ مسلمانوں میں دو گروہ ہوگئے ہیں

ایک علماء اور ان کے پیروؤں کا گروہ، دوسرا انگریزی خوانوں اور ان کے ہم خیالوں کا گروہ
ایک گروہ میں دوسرے گروہ کے لوگ کم شریک ہوتے ہیں، اس بنا پر میں نے مناسب سمجھا
ہے کہ جہاں علماء کا مجمع ہو وہاں انگریزی خواں آئیں اور ان کو مولوی صاحبان اپنا وعظ
سنائیں، انگریزی خوانوں کے سامنے ہمارے جیسے مولوی کیونکر جائیں اور ان سے کچھ سنیں،
اسلام کے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، جس کے سننے کا انگریزی خوانوں کو کم موقع ملتا ہے،
آپ اتنا تو ضرور جانتے ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف
لائے اور ایک مذہب اور ایک کتاب پیش کی، اور اس کی نسبت دلیری سے کہا کہ یہ خدا
کی دی ہوئی ہے اور یہ اس کا وحی اور الہام ہے، خدا کا جو یہ دعوی ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	خدا تعالیٰ فرماتا ہے: آج کے دن میں نے پورا کر دیا
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ	تمہارے لیے تمہارے دین و مذہب کو
لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔	اور تم پر اپنی نعمت کامل کر دی اور تمہارے
(مائدہ-۱)	لیے دین اسلام پسند کیا۔

غور کرنے کی یہ بات ہے کہ مذہب اسلام کامل ہو گیا، اب مذہب میں ترقی کی کوئی
گنجائش باقی نہیں، دوسری آیت میں پھر ارشاد فرمایا: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ
رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ رسول اللہ صلعم تمہارے مردوں میں
سے کسی کے باپ نہیں تھے، بلکہ وہ پیغمبر خاتم الانبیاء ہیں۔ ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا،
اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی ترقی کے واسطے اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک حد مقرر تھی، جوں جوں
یہ ترقی اس حد کے قریب ہوتی گئی، شریعت، قانون اور اخلاق بھی ترقی کرتا گیا، یہاں تک کہ
جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قانون، اخلاق اور شریعت کامل ہو گئی۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اب کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

تعجب ہے کہ خداوند تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نعمت آج تم پر کامل کردی اور نبوت ختم ہو چکی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی ہر قسم کے اخلاق حسنہ اور مذہبی اعمال، جملہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کامل اور پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا، لیکن ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان علی العموم انکی بے پروائی کے ساتھ مؤثر انگریزی اخلاق، انگریزی تمدن اور انگریزی وضع کی تقلید کرنا ہی اپنا فخر سمجھتے ہیں، ہر آدمی انگریزی تہذیب کو اپنا مقتدا اور امام بناتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی امر (؟) ہو تو تمام صفات حسنہ کا مخزن اسی کو سمجھتے ہیں، ہر ایک بات میں مشاہیر یورپ ہی کو بطور نمونہ اور مثال پیش کرتے ہیں، حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ میں ہر قسم اور ہر فن کے ایسے لائق بزرگوار گذرے ہیں جو اس دنیا میں آسمان شہرت کے سورج بنکر چمکے ہیں، اس لیے ہمیں اپنی تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اس اسلامی خزانے میں کس قدر بیش بہا جواہر درخشندہ موجود ہیں، جن کے مقابل مشاہیر یورپ بالکل ہیچ ہیں، یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ انگریزی خواں مسلمان اسلامی تاریخ کے پڑھنے اور سمجھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں، اور یہ ساری باتیں اس لیے ہیں کہ ہمارے نوجوان اپنی مذہبی کتابوں خصوصاً کتاب اللہ اور حدیث شریف کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے، اگر وہ سکون کے وقت کا آٹھواں حصہ بھی اس کام کے واسطے مقرر کرلیں تو ان کو اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب بھی بخوبی معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مستند اہل فن اور اہل علم کس قوم میں زیادہ پائے جاتے ہیں، عالم، صناع، بہادر

اولوالعزم، قوم کی قومیت کو قائم رکھنے والے اور سیاح کس قوم میں پائے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] اس تقریر کے بعد خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے فرمایا کہ جو سنہری اصول اور قابل قدر ہدایات مولانا شبلی صاحب نے نوجوان مسلمانوں کے لیے فرمائی ہیں، میں اس کا صدق دل سے نوجوان مسلمانوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں، نوجوانوں میں مذہب کی طرف سے یہ غفلت شرم کے ساتھ تسلیم کرنی پڑتی ہے، اس کی وجہ موجودہ طرز تعلیم کی خرابی ہے، جس کے باعث مذہبی واقفیت کا بالکل موقع نہیں ملتا، یہ ہمارا قصور نہیں ہے، اگر ہمارا قصور ہوتا تو اس کا بھی میں اقبال کر لیتا، اس زمانے میں ایسی قسم کی طرز تعلیم کا رواج ہے جس پر ہمارے بزرگوں کی مجبوری ہے کہ ہم کو ایسے مدرسہ میں بھیجتے ہیں جہاں ہمارے اخلاق پر اس قسم کے اثر پڑتے ہیں، جن طلباء کو کچھ کچھ دینی معلومات حاصل ہیں وہ اپنی خانگی تعلیم کے ذریعے سے اس سے مستفید ہیں، مدرسوں میں تو اس تعلیم کا نام ونشان بھی نہیں ملتا، اور اس کا اب قریباً خاتمہ ہوتا جاتا ہے، کیونکہ وہ معلومات بظاہر ہمارے بزرگوں ہی تک محدود نظر آتے ہیں، اگلی نسل کی نسبت اس قدر واقفیت کی بھی امید نہیں پڑتی۔

میں آپ کو صدق دل سے بتاتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ اگر ہمارے مذہب کا ہمارے دلوں سے جوش جاتا رہا تو ہماری قوم (خدانخواستہ) تباہ ہو جائے گی، اس جوش کے قائم رکھنے کا ذمہ اس شخص یا اشخاص کے ہاتھ میں ہے، جن کے ہاتھ میں عنان انتظام کالج ہے، درحقیقت لازم تو یہ ہے کہ طلباء کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے استاد رکھے جاویں جو نہ صرف قرآن و حدیث پر چلنے کی ہدایت کریں بلکہ مذہب پر چل کر مثال و نمونہ بنیں، تاکہ اس کالج کے طالب علم نہ صرف تعلیم یافتہ مسلمان ہوں بلکہ واقعی مولوی بھی بنیں، اور یہ طریق عمل تمام اسلامی درسگاہوں کے واسطے ایک قابل تقلید نمونہ بنے تاکہ آئندہ نسلیں دنیاوی ترقی کے ساتھ دینی ترقی بھی کرتی جاویں۔

ادبیات

غزل

از جناب محمد منشاء الرحمن صاحب لکچرار ناگپور یونیورسٹی

برتری پہ نازاں تھے ماہ و کہکشاں والے
بن گئے حریف ان کے آج خاکداں والے

رہ گئے ہیں سب راہی راہ میں تھکے ہارے
منزلوں کو چھوڑ آئے ہمتِ جواں والے

حادثاتِ عالم کا انقلاب دوراں کا
غم کبھی نہیں کرتے عزمِ بیکراں والے

پُرخطر مراحل سے بے خطر گذرتے ہیں
جرأت یقین والے جذبِ کامراں والے

لطف زندگانی تو اصل میں اٹھاتے ہیں
درد بے اماں والے سوز جاوداں والے

موسم بہاراں کی آب و تاب ہے ہم سے
جانِ گلستاں ہیں ہم خاطرِ تپاں والے

خامشی میں جب اپنا حال ہم سناتے ہیں
منہ ہمارا تکتے ہیں قوتِ بیاں والے

عظمتِ قلم کی جب کھا کے ہم قسم اٹھے
دل شکستہ ہو بیٹھے خنجر و سناں والے

حق تو ہے یہی منشاؔ بحرِ ہستی میں
چشمِ خونفشاں والے قلبِ خونچکاں والے

سازِ دل

از جناب پروفیسر نکہت شاہجہاں پوری ایم اے

ہائے کیا رنگیں ادا ہے سازِ دل
کوئی سنتا ہے مگر آوازِ دل

ناز کے قابل ہیں یہ اندازِ دل
اللہ اللہ وہ اٹھائیں نازِ دل

کیا غرض دیر و حرم سے کیا غرض
فرش سے تا عرش ہے آوازِ دل

عشق و الفت کے سوا کچھ بھی نہیں
کوئی سمجھے یا نہ سمجھے رازِ دل

اللہ اللہ نغمہ زارِ زندگی
جیسے کوئی سن رہا ہو سازِ دل

ذرہ ذرہ اک جہانِ حسن ہے
کس کے جلوے ہیں مگر ہمرازِ دل

آئیے اور جانِ جاں بن جائیے
کیا ہی دلکش ہے حریمِ نازِ دل

ہاں وہی جو ہیں رگِ جاں کے قریب
اب نہ وہ مجھ سے چھپائیں رازِ دل

چھوڑیے بھی قصۂ دیر و حرم
چھیڑیے بھی نغمہ ہائے سازِ دل

اب کہاں نکہتؔ کہاں سیرِ چمن
لالہ و گل تھے کبھی دمسازِ دل

غزل

از جناب سید حرمت الاکرام صاحب

اس جام میں کیفِ مئے گلفام غزل ہے
یہ نرگسِ مخمور ہے یا جامِ غزل ہے

کھڑے کا اجالا ہے کہ تفسیرِ معانی
پلکوں کی یہ لرزش ہے کہ ابہامِ غزل ہے

کہتی ہے انھیں دیکھ کے ہر صبحِ تمنا
زلفوں کی گھنی چھاؤں ہے یا شامِ غزل ہے

ہر نشترِ پنہاں میں ہے اک کیفِ دل افروز
شاید کہ محبت مری، انجامِ غزل ہے

مضرابِ نفس اور یہ سازِ دلِ مجروح
ہر ضرب باندازۂ پیغامِ غزل ہے

نازاں ہے بہت اپنی فغانِ سحری پہ
میرا دلِ برباد کہ خوش کامِ غزل ہے

وہ دل میں سمائے تو محبت نے صدا دی
یہ پیکرِ زیبا نہیں، اتمامِ غزل ہے

شانوں پہ یونہی رہنے دو زلفوں کو پریشاں
یہ ایک عجب سلسلۂ دامِ غزل ہے

یہ پچھلا پہر، ڈوبتے تاروں کی یہ جھلمل!
شاعر کے لیے جلوۂ الہامِ غزل ہے

حرمتؔ کو بتاؤ کہ یہی فیصلۂ شوق
اُن ہونٹوں کی جنبش نہیں انعامِ غزل ہے

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر

معارف پابندی کے ساتھ ہر ششماہی میں نئے رسالوں اور خاص نمبروں پر ریویو کرتا تھا مگر ادھر عرصہ سے اسکا التزام نہیں ہو سکا ہے اور بہت سے نئے رسالے اور خاص نمبر جمع ہو گئے تھے جس کا ہم کو افسوس ہے، اب انشاء اللہ پابندی سے ان پر ریویو ہوا کرے گا۔

"م"

البصائر

ٹیپو سلطان شہید نمبر — مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق صاحب، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۴۰۰، قیمت ۱۰ ؍ روپیہ: حق نشان، ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی ۵

نومبر ۱۹۶۳ء میں اردو اکیڈمی کراچی نے ہندوستان کی جنگ آزادی کے پہلے ہیرو سلطان ٹیپو کی یادگار میں ایک اجتماع کیا تھا، اس میں سلطان شہید پر مقالات پڑھے گئے تھے، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی اور البصائر کے فاضل مدیر ڈاکٹر سید معین الحق نے ان مقالات کو البصائر کے ایک خاص نمبر میں شائع کر دیا ہے، اس میں سلطان کے حالات، خدمات، کارناموں، نظم حکومت، عدل و انصاف، رواداری و بے تعصبی، علم و ادب نوازی، شجاعت و بہادری، انگریزی استعمار کے خلاف سرفروشانہ جد و جہد اور ان کی حکومت کے زوال و ناکامی کے اسباب، جملہ پہلوؤں پر نہایت مفید معلومات ہیں، ایک مضمون میں اس عہد میں اردو کی ترقی و اشاعت کا ذکر ہے، ایک اور مختصر مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ اردو کا سب سے پہلا اخبار "فوجی اخبار" کے نام سے ۱۷۹۴ء میں سلطان ٹیپو کے زمانہ میں انکی سرپرستی میں نکلا تھا، سلطان کے مقبرہ اور اس کی عمارتوں کے کئی فوٹو بھی ہیں، انگریزوں اور ان کی تقلید میں بعض دوسرے ہندوستانیوں نے سلطان کی دشمنی میں اس کو بدنام کرنے کی جو کوششیں کی ہیں، اس نمبر میں اس کا جواب بھی دیا گیا ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نمبر سلطان کی تاریخ کا بہت دلچسپ اور جامع مرقع ہے۔

اردو ادب نہرو نمبر — مرتبہ جناب آل احمد سرور صاحب، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۶۸، قیمت ۵ ؍ پتہ: انجمن ترقی اردو علی گڑھ

انجمن ترقی اردو نے انجمن کے رسالے "اردو ادب" کا یہ نمبر پنڈت جواہر لال نہرو کی یادگار میں نکالا ہے، اس میں پنڈت جی کی شخصیت، ان کے کمالات اور کارناموں پر بہت سے اہل قلم کے مضامین ہیں، بعض مضامین میں ان کی شرافت اور حسن کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے، ان کی تصنیفات "میری کہانی"، "باپ کے خط بیٹی کے نام" اور "تلاش ہند" کی روشنی میں ان کو ایک ادیب، کامیاب مصنف اور منصف مزاج مورخ بھی ثابت کیا گیا ہے، سوشلزم اور زبان کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی گئی ہے،

مولانا آزاد اور گاندھی جی سے ان کے خوشگوار تعلقات اور بعض مسائل میں اختلاف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے پنڈت جی کے کمالات، ان کے خدمات اور کارناموں کی تصویر سامنے آجاتی ہے، آخر میں مختلف شعراء کا ہدیۂ عقیدت ہے۔

اردوئے معلی فائم نمبر — مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد صاحب فاروقی، متوسط تقطیع کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۳۲، قیمت ۵ ؍ پتہ: شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی، دہلی ۷

شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی کا رسالہ اردوئے معلی اردو کا بلند پایہ رسالہ ہے، اس کا سال ڈیڑھ میں اردو کی کسی اہم شخصیت یا اہم موضوع پر خاص نمبر نکلتا ہے، جو پوری کتاب

ہوتا ہے، اس قسم کے کئی نمبر نکل چکے ہیں، زیر نظر نمبر میں قائم چاند پوری کا دیوان انڈیا آفس لائبریری لندن اور رضا لائبریری کے قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کرکے شائع کیا گیا ہے حواشی میں اختلاف نسخ کو ظاہر کیا گیا ہے، دیوان کے شروع میں قائم چاند پوری کا مختصر تعارف اور جناب عتیق احمد صدیقی صاحب کا ایک فاضلانہ مقالہ "دیوان قائم کا لسانی مطالعہ" شامل ہے، اس میں قائم کی زبان کی خصوصیات پر تبصرہ کیا گیا ہے، ایسے نمبروں سے اردو زبان وادب میں بہت مفید اضافہ ہوتا ہے، اور انکی افادیت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

اردوئے معلی کے سابقہ نمبروں کی طرح یہ نمبر بھی نہایت مفید اور لائق مطالعہ ہے۔

شیرازہ ثقافت نمبر - مرتبہ جناب یوسف ٹینگ صاحب تقطیع بڑی، کاغذ، کتابت وطباعت نفیس صفحات ۳۹۲، قیمت عـ۱۰ پتہ سکریٹری جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز، سرینگر۔

کشمیر کا مشہور اردو رسالہ "شیرازہ" وقتاً فوقتاً مفید مسائل پر خاص نمبر نکالتا ہے، یہ نمبر کشمیر کی ثقافت پر ہے، اس میں کشمیر کے مختلف پہلوؤں، اس کی دستکاری، تہذیبی اداروں، سماجی یکجہتی، مخصوص روایات، لوک شاعری، ریشی مسلک اور بدھ مت کی تاریخ وارتقاء اور اثرات وغیرہ پر مفید مضامین ہیں، پریم ناتھ بزاز نے کشمیر میں سوشلزم کی اہمیت دکھائی ہے ہندوستان کے سیکولر دستور، سیاسی واقتصادی قدروں اور سوشلسٹ سماج پر کئی مضامین ہیں، ادبی وتنقیدی مضامین میں اردو ادب کا سیکولر مزاج" جگن ناتھ آزاد، غالب کی شاعری میں ہندوستانی عناصر" عندلعاد شتری، مفید اور قابل ذکر ہیں، ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں" صباح الدین عبدالرحمن "ہند ایرانی طرز تعمیر کا ابھار اور خصوصیات" میکش اکبرآبادی، "جنگ آزادی کا ایک اولوالعزم مجاہد نواب امیر خاں" صاحبزادہ شوکت علی خاں، اس نمبر کے محققانہ اور

پراز معلومات مضامین ہیں، "ہندوستانی قومیت کے اجزائے ترکیبی" علی جواد زیدی، اور "اسلام اور مشترکہ قومیت کا تصور"، غلام رسول نازکی، گو اپنے موضوع پر بڑے مفصل اور سیر حاصل مضامین ہیں، لیکن ان میں اور بعض دوسرے مضامین میں اسلامی نقطۂ نظر سے مذہبی رواداری کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، نظموں کا حصہ مختصر مگر دلکش ہے، کشمیر سے متعلق متعدد فوٹو بھی ہیں، یہ نمبر کشمیر سے متعلق مختلف قسم کے معلومات کا بہت اچھا مجموعہ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

خاتون مشرق غوث اعظم نمبر - مرتبہ جناب شفیق بریلوی صاحب، بڑی تقطیع، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۳۳۶، قیمت ۵ر ناشر شفیق بریلوی، مقام اشاعت ۵ گارڈن۔ کراچی۔

قرآن اور رسول نمبر کے بعد رسالہ خاتون پاکستان نے یہ خاص نمبر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حالات میں شائع کیا ہے، اس میں حضرت شیخ کے حالات، آپکے اخلاق وسیرت پر مفید مضامین ہیں بعض مضامین منقول بھی ہیں، مولانا سید ابو الحسن علی کا مضمون ان کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد اول سے منقول ہے، دار المصنفین کے سابق رفیق مولانا ابو الجلال ندوی اور مولانا شاہ غلام حسنین پھلواروی کے مضامین ہیں، حضرت شیخ کے حالات وسوانح طریقہ تربیت، مرتبہ ولایت اور علمی وعملی کمالات کی تفصیل تحریر کی گئی ہے، مفتی انتظام اللہ شہابی کے مختصر مضمون میں شیخ کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، رئیس احمد جعفری صاحب اور خلیق احمد نظامی صاحب کے مضامین گو مختصر ہیں، لیکن فائدہ سے خالی نہیں، شروع میں مولانا عبد القدوس ہاشمی کے نظام خانقاہی کے طریقہ تربیت اور مولانا سید حسن مثنی ندوی کے تصوف واحسان کی حقیقت وفوائد پر مفید مضامین ہیں، آخر میں حضرت

شیخ کی بارگاہ میں شعرا کا نذرانۂ عقیدت ہے، اگر مرتب مختلف اہل قلم سے حضرت شیخ جیلانی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھواتے تو ان میں تکرار نہ ہوتی، بزرگان دین کے حالات میں مراتب و حدود کا لحاظ بہت مشکل ہے، یہ نمبر بھی اس بے اعتدالی سے خالی نہیں ہے، اس قسم کی بعض فروگذاشتوں سے قطع نظر یہ نمبر حضرت شیخ کے حالات کا دلکش اور موثر مرقع ہے۔

شاعر کرشن چندر نمبر۔ مرتبہ جناب اعجاز احمد صدیقی و مہندر ناتھ صاحبان بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۴۱۷، قیمت عہ پتہ ماہنامہ شاعر قصر الادب، بمبئی ۳ بی، سی۔

رسالہ شاعر کا یہ نمبر اردو کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کے حالات میں ہے، اس میں انکی شخصیت اور ادبی و فنی کمالات کی تصویر کشی کی گئی ہے، "نقوش دلبری" کے عنوان سے کرشن چندر کے متعلق ان کے واقف کاروں اور بے تکلف دوستوں کے تاثرات ہیں، "فکر و نظر" کے عنوان کے تحت مضامین میں ان کے فکر و فن کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر ان کی افسانہ و ناول نگاری پر ناقدانہ مضامین ہیں، "زہر خند" کے مزاحیہ مضامین میں ان کی شخصیت کا خاکہ ہے، ایک مضمون میں ان کی طنز و ظرافت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے، دوسرے متفرق مضامین میں ان کے آرٹ، ادب، فن اور شخصیت کو اجاگر کیا گیا ہے، اس طریقہ سے مختلف عنوانوں کے تحت ان کے ادبی خدمات و کمالات کو دکھایا گیا ہے، ان کے بعض منتخب افسانے، ناول اور خطوط بھی نقل کیے گئے ہیں، اور ان کی متعدد تصویریں بھی ہیں، نظم کا حصہ بھی ہے مگر بہت مختصر، شروع میں چند وزراء اور ادیبوں کے پیغامات ہیں، مضمون نگاروں میں اس دور کے بہت سے نامور ادیب و اہل قلم ہیں، یہ نمبر اپنی ضخامت اور مضامین کی کثرت و تنوع کے اعتبار سے پوری کتاب ہے۔

چٹان اقبال نمبر۔ مرتبہ جناب شورش کاشمیری لمبی تقطیع، اخباری کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۴۰، قیمت ۷۰ پیسے، پتہ مکتبہ چٹان ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور۔

چٹان لاہور نے یہ نمبر علامہ اقبال کی یادگار میں شائع کیا ہے، اس میں علامہ مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نہایت مفید مضامین ہیں، بعض مضامین میں ڈاکٹر صاحب کے بعض نامور معاصرین مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ سے ان کے روابط و تعلقات اور ایک دوسرے کے متعلق طرفین کے تاثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت سید صاحب سے متعلق سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب، اور مولانا ابوالکلام کے متعلق ڈاکٹر سید عبد اللہ کے بڑے مفید اور دلچسپ مضامین ہیں، ایک اور مضمون میں مولانا ابوالکلام اور ڈاکٹر اقبال کے متعلق بعض اکابر اہل قلم کی تحریروں کے اقتباسات دیے گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب پر خواجہ غلام السیدین، مولانا امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر محمد عزیر کے تاثراتی مضامین بھی دلچسپ اور بصیرت افروز ہیں، ادارہ کے مضامین اور ڈاکٹر سید عبد اللہ کے ایک مضمون میں اقبالیات کے نام نہاد شارحین اور ان سے نسبت رکھنے والے بعض اداروں کی تشریحات کی مذمت اور ان کی صحیح تشریح کی گئی ہے، مگر اس تنقید کا لہجہ تلخ اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے، اس سے قطع نظر یہ نمبر اقبالیات کے متعلق بہت اچھا مجموعہ ہے۔

مجلہ سیفیہ۔ مرتبہ جناب سید ساجد ندوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت نفیس، صفحات ۳۲۰، قیمت تحریر نہیں۔ پتہ سیفیہ کالج بھوپال۔

بھوپال کے سیفیہ کالج کے اردو میگزین مجلہ سیفیہ نے اس سال بھی حسب معمول یہ نمبر نکالا ہے، جو کالج کے طلبہ، اساتذہ اور دوسرے اہل قلم کے مفید مضامین پر مشتمل ہے،

ان میں شعبۂ اردو کے لائق صدر عبد القوی دسنوی صاحب کا مضمون "علامہ اقبال بھوپال میں"
اس نمبر کا حاصل ہے، ادبی، تنقیدی مضامین کے علاوہ ہلکے پھلکے سیاسی مضامین بھی ہیں، ایک
حصہ میں عربی ادب و شاعری کے متعلق بھی پانچ مضامین ہیں، نظموں، غزلوں اور افسانوں
کا حصہ طلبہ کے معیار کے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔

رسالہ تحریک اقبال نمبر۔ مرتبہ گوپال متل وغیرہ، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت
وطباعت بہتر، صفحات ۴۰، قیمت ۳۷ پیسے، پتہ: ۹ر انصاری مارکیٹ، دریا گنج دہلی ۶

دہلی کے رسالہ تحریک نے بھی اقبال نمبر شائع کیا ہے، جو حشو و زوائد سے پاک
اور مختصر ہونے کے باوجود مفید اور پرمغز مضامین پر مشتمل ہے۔ "اقبال پر چند خیالات"
نظیر صدیقی اور "تسامحات اقبال" ضیاء الدین شمسی طہرانی اس نمبر کے خاص مضامین ہیں
"تسامحات اقبال" میں اقبال کے فکر و خیال کی بعض فروگذاشتوں کا جائزہ لیا گیا ہے، کمیت
سے قطع نظر کیفیت کے اعتبار سے یہ نمبر خاصا ہے۔

مندرجۂ ذیل خاص نمبروں پر بعد میں نظر پڑی اس لیے ان کا ذکر آخر میں کیا جا رہا ہے۔

نظام قرآن نمبر۔ مرتبہ مولوی قمر الدین مظاہری و عبد القیوم مظاہری صاحبان
بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۶۴، قیمت: چار روپے۔
پتہ: دفتر ماہنامہ نظام، مدنی منزل، کرنیل گنج، کانپور۔

اس خاص نمبر میں قرآن مجید کے اعجاز و تاثیر، جمع و تدوین، فہم و تدبر کے اصول، دستور مملکت، سیاست و معیشت کے متعلق
اس کے احکام، موجودہ سائنسی انکشافات سے قرآنی تعلیم کی مطابقت، نظم و ربط
اور تکرار وغیرہ مختلف اہم امور و مباحث پر متعدد اصحاب علم و قلم کے مفید اور قابل قدر
مضامین جمع کیے گئے ہیں، اور عربی زبان میں علماء کی تفسیری خدمات، اردو، فارسی، انگریزی

وغیرہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، "قرآن خدا کی
کتاب" وحید الدین خاں، "دستور مملکت قرآن کی روشنی میں" مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
"تحفظ قرآن پر ایک نظر" قمر الدین مظاہری، "مرتب صحیفۂ الٰہی یا غیر مربوط کلام" انظر شاہ
کشمیری، اور "قرآنی کلمات کی حکیمانہ ترتیب" افادات علامہ ابن قیم، اور فارسی، انگریزی اور
اردو تراجم کے متعلق ابو سلمان شاہجہانپوری، مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی اور
بابائے اردو مولوی عبد الحق مرحوم کے مضامین خاص طور پر اہم ہیں، استنبول اور تاشقند
کے مصحف عثمانی کے علاوہ متعدد قدیم مخطوطہ مصاحف کے عکسی فوٹوؤں سے بھی یہ نمبر مزین ہے۔
چند مضامین منقول بھی ہیں، لیکن افادیت سے خالی نہیں۔

خیابان، اردو زبان و ادب کا پاکستانی دور } مرتبہ محمد طاہر فاروقی صاحب و خاطر غزنوی صاحب
بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت قدرے بہتر
ضخامت ۴۸۰ صفحات، قیمت درج نہیں، پتہ: شعبۂ اردو پشاور یونیورسٹی۔

علمی و ادبی حیثیت سے پاکستان میں اردو کا دامن برابر وسیع ہو رہا ہے، شعبۂ اردو
پشاور یونیورسٹی کے ادبی مجلہ خیابان کے اس نمبر میں پاکستان کے مختلف علاقوں مشرقی
پاکستان، بلوچستان، سندھ، پنجاب، پوٹھوہار اور کشمیر وغیرہ میں گذشتہ پندرہ بیس
برسوں میں اردو ادب سے متعلق جو خدمات انجام پائی ہیں اور اس کی موجودہ رفتار
ترقی کا جائزہ لیا گیا ہے، پھر پاکستانی دور کے اردو زبان و ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالی
گئی ہے، اور اس دور کے ادبیات، غزل، نظم، طنز و مزاح، افسانہ، ناول، ڈرامہ
تنقید، لسانیات، صحافت اور ترجمے وغیرہ مختلف اصناف ادب کی تفصیل ہے،
شروع میں پاکستان کے لسانی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اور آخر میں پاکستان کے

اداروں، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اردو خدمات و مطبوعات اور بعض کتب خانوں اور اشاعتی اداروں کی کتابوں اور مطبوعات کے متعلق نہایت معلومات افزا مضامین ہیں، لیکن بعض قابل ذکر اداروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، مذہبی و علمی کتابوں کا جائزہ بھی ناقص ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ نمبر مفید اور وسیع معلومات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

پیکر تاجور نمبر۔ مرتبہ جناب نظر زیدی صاحب، بڑی تقطیع، کاغذ معمولی کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۳۵۴، قیمت ۳ر، پتہ: شباب کیرانوی ۲۳۷/N سمن آباد، لاہور۔

یہ نمبر نامور صاحب علم و قلم شمس العلما، مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی مرحوم کی یادگار میں نکالا گیا ہے، اس میں ان کے مضامین نظم و نثر اور شروع کے ۸ صفحے میں ان کے متعلق ان کے شاگردوں اور دوستوں کے تاثراتی مضامین درج ہیں، جو اگرچہ مختصر ہیں مگر ان سے مرحوم کی سیرت و شخصیت کا اجمالی خاکہ اور ادبی و فنی کمالات کی مختصر تصویر سامنے آجاتی ہے، اس حصہ میں جگن ناتھ آزاد کی ایک موثر اور دلکش طویل نظم "مزار تاجور پر" بھی شامل ہے۔ دوسرے حصہ میں ان کے منتشر ادبی و تنقیدی، ظریفانہ و مزاحیہ مضامین، سوانحی خاکوں اور نظموں و غزلوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، بزم تحقیق کے زیر عنوان سوالات و جوابات اور میر و سودا کا موازنہ بلند پایہ مضامین اور زبان و ادب کے طلبہ کے لیے خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں، مجموعی حیثیت سے یہ نمبر مولانا تاجور کے حالات اور کمالات کا جامع مرقع ہے۔

مطبوعات جدیدہ

کتاب الزہد و الرقائق۔ مرتبہ مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۸۱۹، قیمت ۳۵ر، پتہ: مجلس احیاء المعارف شرقی اقبال روڈ، مالیگاؤں ضلع ناسک (۲) مکتبہ مفتاحی اکیڈمی، مئو اعظم گڈھ۔

زہد و رقاق پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں دوسری صدی ہجری کے نامور محدث حضرت عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد و الرقائق سب سے قدیم اور اہم ہے، یہ اب تک غیر مطبوعہ تھی، اس کے قلمی نسخے دنیائے اسلام کے چند ہی کتب خانوں میں تھے، فاضل جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے جو اس سے پہلے بھی حدیث کی بعض اہم کتابوں کو ایڈٹ کر چکے ہیں، اب اس کتاب کو مختلف نسخوں کی مدد سے مقابلہ و تصحیح اور تعلیق و تحشیہ کے بعد شائع کیا ہے، شروع میں ایک جامع و مبسوط مقدمہ ہے، اسمیں زہد کی حقیقت چھٹی صدی ہجری تک اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ، مصنف کتاب کے مفصل حالات، علمی و دینی کمالات کے علاوہ اس کتاب کی اہمیت، اس کے تین مختلف نسخوں اور ان کے رواۃ کے مختصر ترجمے اور دوسرے مفید معلومات تحریر کیے گئے ہیں، حواشی و تعلیقات میں اختلاف نسخ، آیتوں کے حوالے، رجال و اسناد کی تحقیق مشکل و غریب الفاظ اور مشکلات کی تشریح، دوسری مشہور و متداول کتابوں کی حدیثوں کی تخریج، اس کے مرویات کی ان سے مطابقت و اختلاف ظاہر کر کے ان کے صحت و خطا

کا فیصلہ کیا گیا ہے، پوری کتاب گیارہ اجزا اور بروایت مروزی، ۱۶۲۷ حدیثوں پر مشتمل ہے، فاضل مرتب نے دوسرے نسخے کے زیادات کو جن کی تعداد ۳۶ ہے اور جو نعیم بن حماد سے مروی ہیں، آخر میں شامل کر دیا ہے، شروع میں تینوں نسخوں کے عکسی فوٹو اور ۲۰ صفحات میں مختلف فہرستیں دیکر استفادہ و مراجعت کو آسان کر دیا گیا ہے، غرض یہ کتاب تہذیب و تزئین، تہذیب و تحشیہ اور تحقیق و تعلیق کے جملہ لوازم سے آراستہ اور اہل علم کے لیے ایک نادر تحفہ اور موضوع و مطالب کے اعتبار سے اہل دل کی طمانیت و سکون کا سامان ہے۔

ترجمان القرآن جلد دوم۔ از مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ ٹائپ، صفحات ۸۸۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت [illegible] پتہ ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی۔

ساہتیہ اکاڈمی نے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی تمام تحریروں کو خاص اہتمام سے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اس مفید سلسلہ کا آغاز مولانا کی مشہور و مقبول تصنیف ترجمان القرآن سے جو اب تقریباً نایاب تھی، کیا گیا ہے، پہلے اڈیشنوں میں یہ کتاب ۲ جلدوں میں شائع ہوئی تھی، ساہتیہ اکاڈمی اس کو ۴ جلدوں میں شائع کرے گی، پہلی جلد جو سورۂ فاتحہ کی تفسیر و مہمات مطالب پر مشتمل ہے، کچھ عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی، اور اس کا معارف میں ذکر کیا جا چکا ہے، یہ جلد سورۂ بقرہ تا انعام کے ترجمہ اور مختصر تفسیری اشارات اور نوٹوں پر مشتمل ہے، اور پہلی جلد کی طرح تصحیح و تحشیہ اور ترتیب و تہذیب کے جملہ لوازم سے آراستہ ہے۔

تذکرہ صوفیائے سرحد۔ از مولانا اعجاز الحق قدوسی، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی ٹائپ، ضخامت ۸۰۰ صفحات، مجلد مع گرد پوش، قیمت [illegible]
پتہ: مرکزی اردو بورڈ لاہور

صوفیائے کرام نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، لیکن ان کے پرانے تذکرے زیادہ تر ان کے کشف و کرامات کے واقعات پر مشتمل ہیں، ان کے رشد و ہدایت اور ان کے پاکیزہ اخلاق و سیرت کا ذکر بہت کم ہوتا ہے، اس لیے مولانا اعجاز الحق قدوسی نے اسی نقطۂ نظر سے ہندوستان کے مختلف حصوں کے صوفیائے کرام کے حالات کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی اور ان بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے، جنھوں نے صوبۂ سرحد کو اپنے علم و عرفان اور رشد و ہدایت کی شمع سے منور کیا تھا، اس میں ایسے ۳۵ صوفیائے کرام کے حالات، ان کی پاکیزہ سیرت و اخلاق اور تعلیمات و ہدایات کا مرقع پیش کیا گیا ہے، جنھوں نے اس صوبے کو اپنے قیام سے نوازا تھا، یا یہاں سے ان کا کسی نوع کا تعلق رہا تھا، چنانچہ دوسرے صوفیہ کے ساتھ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کے حالات اور مجاہدانہ کارناموں کا بھی ذکر ہے، کتاب میں جو اسماء و اعلام آئے ہیں حواشی میں ان کے متعلق ضروری معلومات درج ہیں، مقدمہ میں افغانوں کے قبول اسلام اور حسب و نسب کی تحقیق کے علاوہ ہندوستان میں تصوف کے مروجہ سلاسل اربعہ کی مختصر تاریخ بھی بیان کی گئی ہے، مرتب نے مواد کی فراہمی میں بڑی تلاش و جستجو سے کام لیا ہے، اور بیشتر بزرگوں کے تذکرے مفصل اور جامع بھی ہیں، لیکن متعدد بزرگوں کے متعلق معلومات نہ مہیا ہونے کی بنا پر ان کے تذکرے مختصر ہیں، تاہم یہ کتاب مفید اور محققانہ ہے، مصنف خود ایک نامور صوفی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے سماع کے بارہ میں انھوں نے جو روایتیں کہیں کہیں نقل کی ہیں ان میں ان کا مشرب بھی صوفیانہ ہے، اردو میں اس کتاب سے صوبۂ سرحد کے صوفیائے کرام کے متعلق ایک مستقل اور مستند تذکرہ کا اضافہ ہوا۔

تعلیمی مسائل۔ مرتبہ سید الطاف علی صاحب بریلوی، متوسط تقطیع، کاغذ
کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۴۴۴، مجلد مع گردپوش، قیمت ۱۵؍ پتہ: اکیڈمی
آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔

سید الطاف علی صاحب بریلوی کی عمر کا بڑا حصہ علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں گذرا ہے،
تقسیم سے پہلے وہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل اور مجلس مصنفین علی گڑھ سے وابستہ اور مصنف کے
اڈیٹر رہے، تقسیم کے بعد انھوں نے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اور سرسید گرلس کالج
وغیرہ کی داغ بیل ڈالی اور رسالہ العلم جاری کیا، جو مصنف کا نقش ثانی ہے، وقتاً فوقتاً وہ
مصنف، العلم اور دوسرے رسائل و اخبارات میں علمی و تعلیمی مسائل پر مضامین لکھتے رہے،
یہ کتاب ان کے ۴۴ مفید مضامین کا مجموعہ ہے، جو مفید تعلیمی معلومات پر مشتمل ہیں، بیشتر مضامین
علی گڑھ یونیورسٹی سے متعلق ہیں، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، مدرسۃ الاسلام کراچی،
اور سرسید گرلس کالج وغیرہ کے متعلق بھی مفید مضامین ہیں، ایک مضمون میں جامعہ ملیہ کا
دلچسپ اور لطیف انداز میں ذکر ہے، بعض مضامین میں تعلیمی انجمنوں، ان کے اجلاس اور تعلیمی
سفروں وغیرہ کی دلچسپ روداد تحریر کی گئی ہے جس سے مسلمانوں کی گذشتہ تیس سالہ تعلیمی
سرگذشت سامنے آجاتی ہے، اور اس سے متعلق اداروں اور نامور اشخاص کے حالات بھی
معلوم ہوجاتے ہیں، جو لوگ مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے اس کا مطالعہ
مفید بھی ہے اور ضروری بھی، شروع میں محمد ایوب قادری صاحب کے قلم سے مصنف کے سوانح اور تعلیمی خدمات کی تفصیل ہے،

ادب منزل بمنزل۔ از جناب سیدہ انیس فاطمہ صاحبہ، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت
وطباعت بہتر، صفحات ۲۲۴، مجلد مع گردپوش، قیمت ۶؍ پتہ: ایضاً

ذکی بیگم انیس فاطمہ صاحبہ بھی ایک خوش مذاق اہل قلم ہیں، اس کتاب میں انھوں نے دلچسپ

انداز میں اردو ادب اور بعض نامور اور صاحب طرز ادیبوں کے متعلق بڑے اعتدال و توازن
کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، شروع کے چند مضامین میں اردو زبان و ادب کی مختلف منزلوں
یعنی دلی میں اردو، لکھنؤ میں اردو، "پنجاب میں اردو" کا ذکر ہے، اور ہر منزل میں اردو کے
ارتقار کی مختصر داستان اور اس کے مشہور مصنفین اور اہل قلم کا اجمالی تذکرہ اور ان کے
ادبی و فنی خدمات و کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایک باب میں علی گڑھ تحریک، سرسید
احمد خاں اور ان کے دامن فیض سے وابستہ بعض نامور اشخاص کے علمی و ادبی خدمات کا
جائزہ لیا گیا ہے۔ آخری ابواب میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حالی، علامہ شبلی، اکبر الہ آبادی، مولانا
محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال وغیرہ کے ادبی کمالات پر روشنی
ڈالی گئی ہے، مگر اس فہرست میں مولانا طفیل احمد منگلوری کا نام کچھ بے جوڑ سا ہے۔ سب سے
آخر میں ترقی پسند ادیبوں کی بے اعتدالیوں کا لطیف پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔
مصنفہ کے مقالات نہایت متوازن اور زبان شگفتہ و سلیس ہے، یہ کتاب مختلف حیثیتوں سے
دلچسپ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

علامہ اقبال بھوپال میں۔ مرتبہ جناب عبد القوی صاحب دسنوی،
متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، ضخامت ۹۴ صفحات، ناشر:
سیفیہ کالج بھوپال

ڈاکٹر اقبال پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ مشکل ہی سے اس کا کوئی گوشہ خالی نکل سکتا ہے،
لیکن مصنف کی جدت نے ایک نیا گوشہ تلاش کیا ہے، سر راس مسعود مرحوم ناظم تعلیمات
بھوپال سے ڈاکٹر اقبال کے گہرے تعلقات تھے، ان کے توسط سے نواب حمید اللہ خاں
سے ان کے بھی تعلقات ہوگئے تھے اور ڈاکٹر صاحب کبھی کبھی اس تقریب سے بھوپال جایا کرتے تھے، اس کتاب

میں ان کے سفر اور قیام بھوپال کے دلچسپ حالات تحریر کیے گئے ہیں، اس میں اور بھی مفید معلومات آ گئے ہیں۔

دیوان المعلم عبد الحمید الفراہی۔ مرتبہ مولانا بدر الدین اصلاحی، تقطیع خورد، عمدہ ٹائپ، صفحات ۳۲، قیمت عہ، پتہ: دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڈھ۔

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ شعر و ادب کا نہایت اعلیٰ اور ستھرا مذاق رکھتے تھے، اور اردو، فارسی و عربی تینوں زبانوں میں داد سخن بھی دیتے تھے، دائرہ حمیدیہ نے ان کا مختصر عربی دیوان شائع کیا ہے، جو زیادہ تر جنگ طرابلس، غزوۂ بلقان اور ترکوں پر عیسائیوں کے مظالم سے متعلق اشعار اور حکیمانہ کلام پر مشتمل ہے، مرتب نے مقدمہ میں مولانا کے کلام کی مختصر خصوصیات تحریر کی ہیں، امید ہے کہ عربی زبان و ادب کے شائقین کے حلقہ میں یہ مجموعہ مقبول ہوگا،

چند دن دیار غیر میں۔ مرتبہ مولانا عبد اللہ عباس ندوی، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۹۶، قیمت عہ ۲۵ پیسے، پتہ دار الاشاعت رحمانی، مونگیر۔

مولانا عبد اللہ عباس نے پہلی مرتبہ یورپ کے بعض ملکوں کا سفر کیا تھا، اس سفرنامہ میں انھوں نے بڑے دلچسپ انداز میں اس سفر کے کوائف و تاثرات قلمبند کیے ہیں، اس سے یورپ کی تعلیم، معاشرت اور بعض تعلیمی اداروں اور دوسری متعدد چیزوں کے متعلق بڑے مفید اور دلچسپ معلومات حاصل ہوتے ہیں، مولانا وسیع النظر عالم اور راسخ العقیدہ مسلمان بھی ہیں، اس لیے یورپ پر اس حیثیت سے بھی نظر ڈالی ہے، اس لیے اس سفرنامہ میں مغربی تہذیب کے روشن اور تاریک دونوں رخ سامنے آ جاتے ہیں جن سے بعض مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

"ض"

جلد ۱۰۱ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء عدد ۳

مضامین

217